

انجمن اہل سنت و جماعت
لاہور

ماہنامہ جہانِ رضا

افکار اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرشد

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کا حقیقی ترجمان

مدیرِ اجلی:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

بجواب اعلیٰ مرکزی مجلسِ رضا لاہور

مرکزی مجلسِ رضا (رجسٹرڈ)

نمائندہ بزرگ: ملکالی گیٹ ۱۰ لاہور (پوسٹ بکس ۲۴۵۹)

رابطہ آفس: دکنجنہ پورہ گنج بخش روڈ لاہور ۴۲۳۵۵۵-۰۳۰۰

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ
کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

جہانِ رضا

ماہنامہ لاہور
مدیر: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

جلد ۱۸ - نومبر دسمبر ۲۰۱۱ء - محرم الحرام ۱۴۳۳ھ - شمارہ ۱۸۵

فقہرست مضامین

- | | | |
|---------------------------------------------|-----------------------------------------|----|
| ۱- سلام رضا | اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ | ۲ |
| ۲- اداریہ -- کس کس کی لیں خبر | پیرزادہ اقبال احمد فاروقی | ۳ |
| ۳- مولانا کوثر نیازی | پیرزادہ اقبال احمد فاروقی | ۶ |
| ۴- علامہ فضل حق خیر آبادی | اسید الحق قادری | ۸ |
| ۵- پروفیسر ڈاکٹر معین الدین احمد اور رضویات | غلام مصطفیٰ رضوی | ۲۳ |
| ۶- ماہر رضویات فی الہند | ڈاکٹر عبدالنعمیم عزیز | ۲۷ |
| ۷- حسان العصر | پروفیسر محمد اکرم رضا | ۴۷ |
| ۸- مولانا محمد بخش مسلم | پیرزادہ اقبال احمد فاروقی | ۵۶ |

ہدیہ - ۲۰ روپے سالانہ چندہ: - ۴۰۰ روپے

قارئین جہانِ رضا اپنے تجزیاتی خیالات کا اظہار کر کے ممنون فرمائیں۔

مرکزی مجلس رضا

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ، لاہور - موبائل: 0300-4235658

وہ عمر جس کے اعدا پر شیدا مقرر

اس خداداد دستِ حضرت پر لاکھوں سلام

فارق حق و باطل امام الہدیٰ

تیغِ مسلول شدت پر لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی ہمسازانِ نبی

جانِ شانِ عدالت پر لاکھوں سلام

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود

دولتِ جیشِ عمرت پر لاکھوں سلام

درِ منشورِ قرآن کی سِلک بھی

زوجِ دو نورِ عفت پر لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحبِ قیصرِ ہدیٰ

محلہ پوشِ شہادت پر لاکھوں سلام

مرضیٰ شیرِ حق اشبحِ الاشجعیں

ساتی شیرِ شربت پر لاکھوں سلام

اصلِ نسلِ صفا و جبرِ وصلِ خدا

بابِ فضلِ ولایت پر لاکھوں سلام

اولیں دافعِ اہلِ رخص و خروج

چار می رکنِ ملت پر لاکھوں سلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اکتوبر - نومبر ۲۰۱۱ء

جہانِ رضا ادارہ

کس کس کی لیں خبر نہیں اپنی ہی جب خبر

دامنِ رفو کریں کہ گریبانِ رفو کریں !

آج ملکِ عزیزِ پاکستان میں جو آندھیاں چل رہی ہیں اور ملک و ملت کے گلستان کو جن طوفانوں کا سامنا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حکومتوں کے تاج و تخت لڑکھڑاہے ہیں۔ جمہوریت کے پاسان ایک دوسرے کے دست و گریبان کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ جن حکمرانوں نے اپنی رعایا کو امن و سلامتی دینی تھی وہ لوٹ کھسوٹ کے بازار سجائے بیٹھے ہیں۔ جن ایوانوں نے فریادیوں کی فریادیں سننی تھیں وہ خود فریاد کناں ہیں اور اپنے اعمال پر لرز رہے ہیں۔

رات دُنیا بھر کے فی وی اسٹیشن اور علی الصبح اخبارات کے صفحات جو خبریں دیتے ہیں اس سے قوم کا بچہ بچہ سہا جاتا ہے۔ ہر صبح کی روشنی اور ٹھنڈی ہوا اندھیرا اور بادِ موسم بن کر آتی ہیں۔ اس عظیم قوم کا ہر فرد جب اپنے ہی شہروں کے کوچہ و بازار میں قدم رکھتا ہے تو اسے خوف اور مایوسیاں آ گھیرتی ہیں اور اسے ڈر لگتا ہے کہ کیا وہ وادیِ جنات میں آ گیا ہے!

یہ تو تھی ہماری سیاسی اور دنیاوی داستان، لیکن اگر ہم اپنے دینی گریبان پر نظر ڈالیں تو وہ تار تار نظر آتا ہے۔ علمائے کرام کا ایک عظیم طبقہ اور صوفیاء عظام کا ایک مقدس حلقہ دینی فتنوں کی زد میں ہے۔ بد عقیدہ اور بد مذہب قوتیں بھیں بدل بدل کر ہماری اعتقادی زندگیوں کو پامال کر رہی ہیں۔ کل کے دہائی دیوبندی رافضی حتیٰ کہ قادیانی اپنے نام بدل بدل کر اہلسنت کی اعتقادی سرحدوں کو پامال کر رہے ہیں۔ جس ملک کے بانیوں نے بنایا تھا جس ملک کے سنیوں نے قربانیاں دی تھیں جس ملک کے حصول کیلئے سنی علماء و مشائخ نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ آج اس ملک میں پاکستان کی ”پ“ پر لعنت بھیجنے والے دندانہ رہے ہیں۔ جس ملک کی آزادی کی جدوجہد کے وقت ”مولویان کھدر پوش“ گاندھی اور نہرو کے کپیوں سے وٹیفے لے لے کر مساجد کے محراب و منبر پر بھجن گایا کرتے تھے۔ آج وہ اس عظیم قوم کی راہنمائی کے دعویدار بن گئے ہیں۔ یہ تو بات تھی بد عقیدہ مولویوں کی مگر جو خوش عقیدہ علمائے دین تھے اور ان کا نشان خوش بیاں تھے۔ ان کے انداز ایسے

بدلے کہ وہ قوم کی راہنمائی کی بجائے عوام کو ”بدعقیدہ مولویوں“ کے رحم و کرم چھوڑے جا رہے ہیں۔ آج ہماری مساجد و مزارات ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ آج ہماری خانقاہیں خاموش ہیں کہ عقیدت مند نہ رہے۔ آج ہمارے مدارس بچوں کی پناہ گاہیں بن گئے ہیں کہ مدرسین نہ رہے۔ زمانہ بدلا، ہم بھی بدل گئے۔ جو نوجوان خوش آوازی لے کر ابھرتے ہیں وہ نعت فروش بن جاتے ہیں جو واعظ آواز کی للکار لے کر آتے ہیں وہ وعظ فروش بن جاتے ہیں۔ جنہیں اپنی سرزمین نے قبول نہ کیا وہ مغربی ممالک میں جا کر میاں محمد کے سیف الملوک کے اشعار سناتے لگے اور داناؤں کا چٹکنے لگ گئے ہیں۔

مقامی علمائے اہلسنت نے ایک نیا انداز اختیار کر لیا ہے۔ کوئی پیرزادہ اٹھتا ہے تو ”علی کا پہلا نمبر“ پکار کر رافضیوں کی پناہ لیتا جاتا ہے۔ کوئی عالم دین لڑکھڑاتا ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ بخشوا کر ”فتح مبین“ کا مستحق قرار دیتا ہے۔ کوئی منطق کی جولانی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا تاج چالیس سال کے بعد آپ کے سر پر سجاتا ہے۔ ایک صاحب قلم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت کو بلند کرنے کیلئے آپ کو ”مولود کعبہ“ بناتا ہے۔ دوسرا اٹھتا ہے تو وہ آپ کی اس عظمت کو کم کرنے کیلئے ”مولود کعبہ کون؟“ کا سوال لے کر میدان میں نکل آتا ہے۔ غرضیکہ ہماری اعتقادی دنیا میں ہزاروں فتنے جو ”باریک طرز موعائے اہلسنت“ ہیں۔ پھیل رہے ہیں، غیروں کی بداعتقادی حرکات کو نظر انداز کر کے ہم اپنے ہی گھر کو نذر آتش کر رہے ہیں۔

اس گھر کو ہی آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عظمت اہلسنت کے نام پر رافضیت ہمارے۔ علماء کرام۔ پیران عظام اور پیر زادگان والا شان کے خیالات اور عقائد کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ لندن سے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ یہ اعتقادی فتنے پاکستان کے علاوہ اب یورپ کے مختلف ممالک میں پھیل رہے ہیں اور ان موضوعات پر مناظرے ہو رہے ہیں اور اپنی اپنی فتح یا ہتھیوں کے جھنڈوں کے ساتھ ساتھ اپنی فتوحات کے حلقے وسیع کر رہے ہیں۔

ہم سیاسی جماعتوں کی بات نہیں کرتے وہ تو عذاب الہی کا شکار ہو گئی ہیں۔ وہ اپنی کرپشن، لوٹ مار اور ملکی مسائل کو حل کرنے میں ناکامی کو ریلیوں اور جلسوں کے شور شرابے میں چھپا رہی ہیں۔ ان کی راتوں کی نیندیں خواب آور گولیوں کا سہارا لے رہی ہیں ان کے دن اپنی سیاہ کاریوں کو چھپانے میں گزر رہے ہیں۔ ہم تو علمائے اہلسنت کی قیادتوں پر ماتم کناں ہیں۔ جو ان طوفانوں اور آندھیوں کے باوجود بھی یکجان نہیں ہوتے اور اپنوں کو اپنا نہیں بناتے۔

ہم جن سیاسی راہوں پر ریلیاں نکال رہے ہیں وہ مغضوب سیاست دانوں کی پامال شدہ راہیں ہیں۔ جن راہوں پر شیطان اپنی اولاد کو لے کر ناچ چکا ہو ان پر چل کر ہم کس منزل کو پائیں گے جس کھیت کو خزیروں نے برباد کر دیا ہو اس کھیت میں کون سی فصل اُگے گی؟

ان سیاسی اور دینی فتنوں اور طوفانوں کے دوران اگر ہم اپنی اعتقادی دنیا کو بچانا چاہیں تو ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنے عقائد کو امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و تعلیمات کی روشنی میں مضبوطی سے استوار کریں۔ اعتقادی فتنوں کے طوفانوں میں اکبری الحادی کے زمانہ میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور انگریزی دور کے اعتقادی فتنوں میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حفاظت کی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین الہی جسے مغل اقتدار اور ہندو راجاؤں کی حمایت حاصل تھی۔ پامال کر کے رکھ دیا۔ حضرت مجدد اہلسنت امام احمد رضا بریلوی کو انگریزی اقتدار اور ہندو اکثریت کا سامنا تھا۔ آپ نے بھی ان فتنوں کا مقابلہ کر کے دین اسلام کے روشن چہرے کو نمایاں کر دیا تھا۔ آج مسلمانوں کو ایسے ہی حالات کا سامنا ہے۔ اس لئے انہیں سب بکھیروں سے منہ موڑ کر اپنی اعتقادی دنیا کو اعتقادی فتنوں سے بچانا چاہئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد اہلسنت کے نقش قدم پر چل کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا چاہئے اور دنیا کو بتا دینا چاہئے کہ ہم ”سرمایہ ملت کے نگہبان“ ہیں اور ہم دو قومی نظریہ کے ترجمان ہیں۔ موجودہ زمانے کی سیاسی چالیں اور اعتقادی ناہمواریاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔

ہمارے علمائے اہلسنت اور ہمارے مشائخ کرام اپنی اپنی مساجد اور اپنی خانقاہوں کو آباد کریں۔ اعتقادی طور پر عوام کی راہنمائی کریں۔ یہ قوم بڑی زخم خوردہ ہے۔ اس کے نوجوان اپنے زخموں پر مرہم رکھنے کے متمنی ہیں۔ اس قوم کے غریب ٹھوکریں کھانے کے بعد نڈھال ہو چکے ہیں۔ پاکستان کے عوام چوروں کے ہاتھوں لٹ چکے ہیں۔ ان بے گناہوں کو بے گناہی کی موت مارا جا رہا ہے اور مارنے والے دندنا تے پھر رہے ہیں۔ پاکستان کے حکمران تو غریب عوام کو اپنی بکریاں سمجھتے ہیں۔ جن کے کوئی حقوق نہیں۔ وہ خود ہی پاکستان کی اجڑی ہوئی چراگاہوں سے سوکھا گھاس چر کر اپنے گھر آ جاتے ہیں۔ مگر علماء کرام و صوفیائے کرام (اگرچہ وہ خود زخم خوردہ ہیں) انہیں اس قوم کے درد و دکھ میں شریک ہو کر صبح و شام کام کریں۔ یہ مسکین لوگ آپ کے نبی ﷺ کی امت ہیں۔ انہیں یونہی بے یار و مددگار چھوڑ دینا علماء کرام کے لئے مناسب نہیں۔

مولانا کوثر نیازی

مولانا کوثر نیازی میانوالی سے لاہور آئے تو ان کا نام حیات محمد خان تھا۔ لاہور کی فضاؤں نے انہیں کوثر نیازی بنا دیا۔ وہ ۲۱/ اپریل ۱۹۳۴ء کو موسیٰ خیل ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر وہ ممتاز سیاست دان، صحافی، خطیب اور مذہبی راہنما بن کر رہے۔ شاعری میں انہیں درک تھا۔ شعر کہتے بھی تھے اور شعر کا انتخاب بھی درست ہوتا۔ ہمارے اس وقت واقف بنے جب وہ شام نگر میں رہتے تھے اور لال مسجد شاہ عالمی دروازہ میں خطابت کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے ”ماہنامہ شہاب“ نکالا۔ پنجاب یونیورسٹی سے اسلامی جمعیت العلماء اور جماعت اسلامی سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا اور مولانا مودودی کا منہج بن گئے۔ نواب آف کالا باغ نے سر پر ہاتھ پھیرا تو جماعت اسلامی کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں آ گئے۔ ۱۹۶۹ء میں پیپلز پارٹی میں آ گئے اور بھٹو کے قریب ہو گئے۔ جب بھٹو اقتدار میں آئے تو مولانا کوثر نیازی وفاقی وزیر بن گئے۔ بھٹو کی کابینہ میں پہلے مذہبی اور اقلیتی امور کے وزیر بنے پھر ۱۹۷۶ء میں وزیر اطلاعات کا منصب سنبھال لیا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کی عبوری حکومت میں حکومت پاکستان کا ایچی بن کر ہندوستان میں خیر سگالی کا مشن لے کر گئے۔ بھٹو خاندان کی وفاداری کی وجہ سے محترمہ بے نظیر کی حکومت میں انہیں اسلامی نظریاتی کونسل کا چیئرمین بنا دیا گیا۔ آپ کی تصانیف میں ”اور لائن کٹ گئی“، ”کوہ قاف کے دیس میں“ کو بہت پذیرائی ملی۔

بھٹو کے خلاف ۱۹۷۷ء میں تحریک چلی تو وہ دونوں پارٹیوں کے درمیان معتمد کی حیثیت سے بات چیت کرتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ کھل کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات پر بات کرنے لگے تھے۔ ہم نے اپنے ماہنامہ ”جہانِ رضا“ میں انہیں ”دیوبندی“ لکھ دیا تو انہوں نے اس کی سخت تردید کی۔ جو ہم نے ”جہانِ رضا“ میں شائع کر دی۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے علمی مقامات پر زبردست تقریریں کیں۔ جس کی وجہ سے وہ پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے جلسوں میں امام احمد رضا پر تقریریں کرتے۔ ان کی تقریر ”ہم جہت شخصیت“ سینوں میں اتنی مقبول ہوئی کہ سات لاکھ کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہوئی۔ وہ ”یومِ رضا“ پر تقریر کرتے تو لوگ عیش عیش کر اٹھتے۔

۱۵/ مارچ ۱۹۹۴ء کو جمعیت العلماء پاکستان لاہور نے انہیں اپنے دفتر میں دعوت دی تو مجھے ”ایڈیٹر جہانِ رضا“ ہونے کی وجہ سے اپنے دائیں ہاتھ بٹھا کر کھانا کھاتے رہے۔ کلمہ دعوت ختم ہوئی یہ دعوت پر ہجوم تھی مجھے کہنے لگے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ ہم دونوں مجمع سے نکل کر باہر چلے گئے۔ نہر کے کنارے سیر کرنے لگے مگر بات نہ بنی۔ اپنی گاڑی پر گھر چلے گئے۔ اپنے بیٹے ڈاکٹر طارق کو فون کیا اس نے دوائی تجویز کی مگر آرام نہ آیا۔ رات کی فلائٹ میں اسلام آباد پہنچے۔ ۱۹/ مارچ ۱۹۹۴ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

زمرہ باداے عاشق احمد رضا پائندہ بادا



اسید الحق محمد عاصم قادری ☆

علامہ فضل حق خیر آبادی

اور

شاہ اسماعیل دہلوی

شاہ اسماعیل دہلوی (آمد: ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء / رخصت: ۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۱ء) علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہم عصر ہیں گو کہ علامہ سے عمر میں تقریباً ۱۹ سال بڑے ہیں، مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے نسبت تلمذ دونوں میں قدر مشترک ہے، علامہ کا بچپن دہلی میں خانوادہ شاہ ولی اللہ کے افراد خاندان کے زیر سایہ گزرا، روز کا آنا جانا تھا، فراغت کے بعد دہلی ہی میں ملازمت کی اور کم و بیش ۲۰ برس تک بسلسلہ ملازمت علامہ دہلی میں قیام پذیر رہے، قیاس ہے کہ خاندان شاہ ولی اللہ کے دیگر افراد کی طرح علامہ کے شاہ اسماعیل دہلوی سے بھی مراسم رہے ہوں گے اور پھر ان دونوں میں استاذ بھائی کا رشتہ بھی تھا، یہ تعلقات و روابط اسی طرح چل رہے تھے کہ اسی درمیان شاہ اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان تصنیف کی۔ (۱)

اولین صدائے احتجاج: تقویت الایمان میں جہاں اور قابل اعتراض عبارتیں تھیں وہیں شفاعت کے بیان کے ضمن میں اللہ کی قدرت عامہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ اسماعیل دہلوی نے یہ لکھ دیا کہ:

”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔“ (۲)

اس پر سب سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی نے توجہ کی اور ایک

مختصر تحریر ”تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان“ لکھی، اس میں آپ نے ثابت کیا کہ حضور ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات ہے، اگر اس کو ممکن مانا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب لازم آئے گا اور کذب باری محال ہے، مزید یہ کہ شاہ اسماعیل کی یہ عبارت تنقیص شان رسالت پر مشتمل ہے۔ اس رسالے کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے ”رسالہ یک روزی“ تصنیف کیا۔ (۳)

یہیں سے مسئلہ امتناع نظیر اور امکان نظیر پر بحث کا آغاز ہوا، منشی جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

مولوی فضل حق معقولی خیر آبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتکے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے، مولانا شہید کے سخت مخالف ہو گئے، چنانچہ کتاب تقویت الایمان کے اس مسئلہ پر اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ ساد و سرا پیدا کرنے پر قادر ہے انہوں نے سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ جیسا دوسرا پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں، اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے، چنانچہ ”ایضاح الحق“ کے خاتمہ پر وہ فتویٰ بتامہ چھپ بھی گیا ہے۔ (۴)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

مولانا اسماعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں یہ (علامہ فضل حق خیر آبادی) سب سے زیادہ نامور ہوئے، مولانا شہید نے ”تقویت الایمان“ میں لکھ دیا ہے کہ خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آں حضرت کے امثال پیدا کر دے، یہ بات ان (علامہ فضل حق خیر آبادی) پر بہت شاق گزری، اور معقولیت کی رنگ آمیزیوں سے ایک تقریر اس کے رد میں لکھ دی، دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیین کا پیدا ہونا ممتنع بالذات سے ہے، اور پھر ”قدرت“ اور ”مشیت“ کا فرق فراموش کر کے سارا معاملہ مشیت کے فعل میں لے گئے، ساری تقریر جہل و مکارہ کا ایک لفظی گورکھ دھندا تھی، مولانا

اسماعیل نماز کے لیے جامع مسجد جارہے تھے کہ راہ میں انہیں یہ تقریر ملی، نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے اور کاغذ و قلم منگوا کر ایک پورا رسالہ اس کے رد میں قلم بند کر دیا، چونکہ ایک ہی دن میں لکھا گیا تھا، اس لیے ایک روزی کے نام سے مشہور ہو گیا، پھر مولانا صدر الدین نے بھی اس پر ایک تحریر لکھی، یہ دونوں رسالے ”ایضاح الحق الصریح“ کے حاشیہ پر چھپ گئے ہیں۔ (۵)

مولانا آزاد نے عقیدے کے اس اہم مسئلے کو جتنا ہلکا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ اپنی تمام تر وسعت کے باوجود معاملہ کے اس خطرناک پہلو تک نہیں پہنچ سکی جس کے نتیجے میں انبیاء و مرسلین اور اولیاء صالحین کے بارے میں عجیب و غریب اہانت آمیز اسلوب وجود میں آیا اور آگے چل کر انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی۔

مولانا آزاد اسی سلسلے میں آگے لکھتے ہیں:

”انہوں نے (مولانا فضل حق نے) میرزا غالب سے بھی ایک مثنوی مولانا اسماعیل کے رد میں لکھوائی تھی، جو دیوان میں موجود ہے، استمداد، توصل قبور (کذا - توصل) استغاثہ بحرف ندا، ایصال ثواب بطریق رکی، اور یہی مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین اس میں بیان کیے گئے ہیں، آخری مسئلہ اس درجہ بے معنی تھا کہ میرزا غالب کا ذہن اسے قبول نہ کر سکا اور ایک لطیف پیرائے میں وہی بات کہہ دی جو مولانا اسماعیل کہتے ہیں، لیکن پھر چونکہ مولانا فضل حق نے یہ شدت انکار کیا، اس لیے چند نئے اشعار کہہ کر بحث کا رخ بدل دیا۔“ (۶)

ہمارے خیال میں یہ غالب پرستی کی انتہا ہے کہ کسی خالص کلامی اور اعتقادی مسئلہ کے بامعنی اور بے معنی ہونے کے لیے مرزا غالب کے ذہن کا اس کو قبول کرنا یا نا کرنا ضروری ہے۔

امتناع نظیر کا مسئلہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا جس کو مولانا آزاد نے ایک ”بے معنی مسئلہ“ اور ”لفظی گورکھ دھندا“ قرار دے دیا بلکہ آگے چل کر اس کے دور رس عواقب و نتائج سامنے آئے، حکیم محمود احمد برکاتی نے درست لکھا کہ:

”علامہ کی فراست دینی خدا داد تھی، آپ کی مندرجہ بالا تحریروں کی نوعیت صرف ایک کتاب پر تنقید اور ایک مصنف کی کسی علمی لغزش و خطا پر تعاقب کی نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑے دینی فتنے (انکار ختم نبوت) کی طرف اس کے آغاز ہی میں التفات فرما کر ملت کو متنبہ فرما دیا تھا، مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی حمایت میں چند علما میدان میں آ گئے اور اس ایک مسئلے میں کئی مباحث پیدا کر دیے جن کے نتیجے میں انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی۔“ (۷)

علامہ کی تحریر ”تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان“ فارسی میں تھی، اس کا ایک قلمی نسخہ کراچی میں حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کے کتب خانے میں ہے، ایک اور قلمی نسخہ حکیم نصیر الدین اجیری (وفات ۱۹۸۸ء) برادر زادہ مولانا معین الدین اجیری کی ملکیت میں تھا، وہیں سے مولانا عبدالحکیم شرف قادری (وفات: ۱۳۲۸ھ / ۱۹۰۷ء) نے

حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا، اور اپنی مترجمہ تحقیق الفتویٰ (مطبوعہ بندیال، پاکستان - ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء) کے آخر میں اصل فارسی متن کے ساتھ شائع کر دیا، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ وہی تحریر ہے جس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی تصنیف کیا تھا، اس لیے کہ یک روزی میں شاہ صاحب نے علامہ کی جو عبارتیں ”قولہ“ کے بعد نقل کی ہیں وہ سب عبارتیں اس میں موجود ہیں، لہذا اس تحریر کی صحت انتساب میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

دہلی کا تاریخی مناظرہ: تقویت الایمان میں صرف یہی ایک عبارت قابل اعتراض نہیں تھی جس پر علامہ نے گرفت کی بلکہ اس کی اور بہت سی عبارتیں علمائے وقت کے لیے تشویش کا باعث بن گئیں اور یہی تشویش بالآخر اس تاریخی مناظرے کا سبب بنی جس میں بقول مولانا آزاد ”ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحق تھے اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی“ (۸) اور حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول ”جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل کے اعموان و انصار تھے، دوسری طرف باقی علمائے حق پرست“ (۹) جن میں اکثریت اسی خاندان ولی اللہی کے تلامذہ اور

مستفیدین کی تھی، ان میں شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا مخصوص اللہ دہلوی (وفات: ۱۲۷۱ھ) اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی (وفات: ۱۲۵۹ھ) بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ مناظرہ جامع مسجد دہلی میں ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو منعقد ہوا، اس مناظرے کی قدرے تفصیلی روداد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے سیف الجبار میں درج کر دی ہے (۱۰) اس روداد سے پتہ چلتا ہے کہ مناظرے سے پہلے ایک استفتا مرتب کیا گیا تھا، اس استفتا میں ۱۴ سوالات تھے جو زیادہ تر بدعت کے مسائل سے متعلق تھے، اس استفتا کا جواب غالباً مولانا رشید الدین خاں دہلوی نے قلم بند کیا، اس پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے مہر تصدیق ثبت کی، علامہ کے علاوہ اس فتوے پر مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی مولانا محمد شریف دہلوی، مولانا عبداللہ اور مولانا اخون شیر محمد صاحب کے مواہیر اور دستخط تھے (۱۱)۔ مناظرے میں شاہ اسماعیل دہلوی سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس استفتا اور جوابات کو دیکھ لیں اگر درست ہوں تو اس پر مہر تصدیق کر دیں اور اگر ان کی نظر میں یہ غلط ہوں تو ان مسائل پر ابھی گفتگو کریں، مگر شاہ صاحب نے یہ کہہ کر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ ”میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔“ (سیف الجبار: ص ۵۲)

رسالہ یک روزی: گزشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ علامہ کی ”تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان“ کے جواب میں بقول منشی جعفر تھانیسری ”مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے“، اسی کا نام ”رسالہ یک روزی“ ہے، آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ تھانیسری اور آزاد دونوں حضرات کے بقول یہ رسالہ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ”ایضاح الحق الصریح فی احکام لمیت والصریح“ کے ساتھ شائع ہو گیا تھا، یہی نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ (۱۲)

رسالہ یک روزی میں شاہ صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی نظیر ممکن ہے، اور تحت قدرت الہی ہے، اس کے لیے انہوں نے پہلے قرآن کریم سے دلیلیں دی ہیں، اس کے بعد ایک عقلی دلیل نقل کی ہے، جس کو انہوں نے ”برہان عقلی“ سے

تعبیر کیا ہے، اس کے بعد علامہ کی مذکورہ تحریر سے کچھ عبارتیں نقل کر کے ان کا رد کیا ہے۔ علامہ نے اپنی کتاب تحقیق الفتویٰ میں رسالہ یک روزی کے ان دلائل کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

مسئلہ امکان کذب: مسئلہ امتناع نظیر کے بطن سے ”امکان کذب باری“ کا مسئلہ پیدا ہوا، جیم محمود احمد برکاتی کے بقول:

”اپنے قول کی صحت پر بہر حال اصرار کیے جانے کا ایک اور افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ صاحب اور ان کے اتباع امکان کذب باری تعالیٰ کے قول تک آ گئے۔“ (۱۳)

یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ علامہ نے امتناع نظیر کی دلیل دیتے ہوئے لکھا تھا:

وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ (ترجمہ تقریر اعتراضات) اس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی میں لکھا:

ترجمہ: ان کا قول کہ ”یہ محال ہے کیوں کہ یہ نقص ہے اور نقص اللہ کے لیے محال ہے“، میں کہتا ہوں کہ اگر اس محال سے مراد ممتنع لذاتہ ہے جو قدرت الہیہ کے تحت داخل ہی نہیں ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مذکورہ کذب اس معنی میں محال ہے، کیوں کہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو ملائکہ اور انبیاء پر القا کرنا قدرت الہیہ سے خارج نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا قدرت انسانی قدرت ربانی پر زائد ہو جائے، کیونکہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو مخاطبین پر پیش کرنا اکثر افراد انسانی کی قدرت میں ہے، ہاں مذکورہ کذب چونکہ اللہ کی حکمت کے منافی ہے اس لیے ممتنع بالغیر ہے۔ (۱۴) گویا شاہ صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات ہے، مگر حکمت کی بنیاد پر اس سے کذب کا ارتکاب نہیں ہوتا اس لیے ممتنع بالغیر ہوا۔

تحقیق الفتویٰ میں علامہ نے اس دلیل کا محاسبہ کرتے ہوئے

لکھا:

یہ قائل مانتا ہے کہ جھوٹ نقص اور عیب ہے، اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے متصف ہونا ممکن ہے لہذا یہ صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ناقص اور عیب دار ہونا ممکن ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اس کا یہ استدلال کہ ”ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا ملائکہ و انبیاء پر القا کرنا، قدرت الہیہ سے خارج نہیں ہے“، باعث تعجب ہے کیوں کہ ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا مخاطب پر القا کرنا مطلقاً جھوٹ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکثر مقامات پر مخلوق سے حکایت کرتے ہوئے قضایا کا ذبہ ذکر فرمائے ہیں، قائل کے کذب کا معنی یہ ہے کہ وہ مخالف واقع قضیہ سے خبر دے اور یہ صفت عیب اور نقص ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا عیب اور نقص سے موصوف ہونا ممکن ہے، اہل ایمان کی شان سے بعید ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ ”ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت الہیہ سے زیادہ ہو“، تعجب بالائے تعجب کا سبب ہے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں قائل کی دقیقہ رسی اور زیرکی کی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یصفون ظاہر ہے کہ بدترین فواحش اور شنیع قباہ، جن سے اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا عقلی، نقلی طور پر بدیہی اور شرعی طور پر ممتنع ذاتی اور محال عقلی ہے۔ قدرت انسانیہ کے تحت داخل اور قدرت الہیہ کے تحت داخل نہیں ہیں، اس قائل کے زعم پر لازم آئے گا کہ قدرت انسانی، قدرت ربانی سے زائد ہو، العیاذ باللہ! (۱۵) پھر آپ نے قدرت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے ثابت کیا کہ کذب یا دیگر نقائص اللہ تعالیٰ کے لیے محال ماننے کے باوجود قدرت انسانی کا قدرے ربانی پر زائد ہونا لازم نہیں آئے گا۔ امکان کذب کے بارے میں شاہ صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ:

ترجمہ: ”اسی لیے جھوٹ نہ بولنے کو اللہ تعالیٰ کے کمال میں شام کیا جاتا ہے، اور اس کے (یعنی عدم کذب کے) ساتھ اس کی مدح کی جاتی ہے، برخلاف گونگے یا پتھر کے کہ جھوٹ نہ بولنے کی بنیاد پر ان کی مدح

نہیں کی جاتی، اور ظاہر ہے کہ صفت کمال یہی ہے کہ کوئی شخص جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود رعایت مصلحت اور تقاضائے حکمت کے تحت جھوٹ نہ بولتا ہو اس شخص کی مدح کی جائے گی“ (۱۶) اس کے جواب میں علامہ لکھتے ہیں:

”اس کا یہ گمان کہ عدم کذب کو اللہ تعالیٰ کی تعریفات میں اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ وہ کذب پر قدرت کے باوجود کلام کا ذب کا تکلم نہیں فرماتا، جیسے اس نے عوام کا لالعام کو فریب دینے کے لیے کم معنی اور زیادہ الفاظ والی طویل عبارات سے بیان کیا ہے، ملمع کاری سے زیادہ کچھ نہیں، کیوں کہ تمام عیوب و نقائص اور قباہ و فواحش سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ محامد و مدائح الہیہ سے شمار کی گئی ہے اور نصوص میں مقام ثنا میں موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ان نقائص اور فواحش سے متصف ہونا ممقعات عقلیہ اور مستحیلات ذاتیہ سے ہے۔ شان الہی کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی عیب اور نقص سے موصوف ہونا تجویز عقلی میں بھی ممکن نہیں ہے، یہی کمال تنزیہ اور تقدیس ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کذب کے اتصاف سے اس لیے پاک ہونا کہ اس ذات کریمہ کا عیوب و نقائص سے موصوف ہونا ناممکن ہے، عجز نہیں ہے، اس لیے کہ جس شے کی شان یہ ہے کہ وہ قدرت میں ہو، اس کا قدرت میں نہ ہونا عجز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے موصوف ہونا ممتنع ہے اور قدرت میں نہیں ہے۔ لہذا اس پر قدرت کا نہ ہونا عجز نہیں ہو سکتا۔“ (۱۷)

باری تعالیٰ کے لیے کذب کو ممکن بالذات تسلیم کرنے کے نتیجے میں بات یہاں تک پہنچی کے بعض حضرات نے جملہ قباہ (بری باتیں) اللہ کے لیے ممکن بالذات مان لیں، مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن کانپوری (وفات: ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۳ء) نے مسئلہ امکان کذب پر ایک رسالہ ”تنزیہ الرحمن عن شائبۃ الکذب والنقصان“ (مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ) لکھا اس پر مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا عبد اللہ ٹوکی، مولانا محمد علی کانپوری، مولانا عبدالحی سورتی اور مولانا نور محمد گورداسپوری نے تقریفات تحریر فرمائیں، اس میں مولانا احمد حسن کانپوری نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کا نہ شرف کذب بلکہ جملہ

نقص اور قبائح سے متصف ہونا محال بالذات ہے، اس کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن دیوبندی نے "الجهت المقل فی تنزیہ المعیز والمذیل" لکھی جس میں وہ یہاں تک لکھ گئے کہ:

"افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم فرماتے ہیں کیوں کہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔" (۱۸) پھر آگے چل کر یہ بھی لکھ دیا کہ:

"بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہل سنت ہے البتہ بوجہ امتناع بالظہر ان کے تحقق و فعلیت صدور کی کبھی نوبت نہیں آسکتی۔" (۱۹)

الجهت المقل کے جواب میں مولانا احمد حسن کانپوری کے استاذ بھائی مولانا عبداللہ ٹوکی (وفات: ۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰ء) نے عربی زبان میں "عجالة الراكب فی امتناع كذب الواجب" (مطبع اسلامیہ لاہور ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) لکھی۔

تحقیق الفتویٰ: وہ مسائل جن میں علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان نزاع واقع ہوا ان میں ایک مسئلہ 'مسئلہ شفاعت' بھی تھا، تقویت الایمان میں شفاعت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل دہلوی نے کئی صفحات میں خامہ فرسائی کی ہے، اور شفاعت کی ایسی تشریح کی ہے جس سے ائمہ متقدمین کی کتابیں خالی ہیں، اسی کتاب سے شفاعت کے متعلق شاہ اسماعیل دہلوی کی طویل عبارت کسی نے نقل کر کے علامہ کی خدمت میں بطور استفتا پیش کی، اس استفتا کے جواب میں علامہ نے قلم اٹھایا اور فارسی میں "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" کے نام سے عقلی اور نقلی دلائل سے مزین ایک کتاب تصنیف فرمادی۔ یہ کتاب رمضان ۱۲۴۰ھ مطابق اپریل ۱۸۲۵ء میں تصنیف کی گئی۔ اس میں استفتا کا جواب تو دیا ہی گیا ساتھ ہی علامہ نے کئی جگہ شاہ صاحب کے "رسالہ یک روزی" کے دلائل کا تنقیدی جائزہ بھی لے لیا ہے، جس کا ذکر

ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اپنے موضوع پر اتنی اہم کتاب اپنی تالیف کے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک غیر مطبوعہ رہی، مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی ہندیال سے شائع کروایا ساتھ میں انہوں نے آخر میں کتاب کا اصل فارسی متن بھی شامل کر دیا ہے۔ (۲۰)

مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے اپنی تصنیف "سیف الجبار" اور فوز المؤمنین میں تحقیق الفتویٰ کا تذکرہ علامہ کی تصنیف کی حیثیت سے کیا ہے، سیف الجبار میں نہ صرف تحقیق الفتویٰ کا ذکر ہے بلکہ اس میں تحقیق الفتویٰ کے چاروں مقامات کا مختصر تعارف اور تقریباً ایک صفحہ میں خلاصہ فتویٰ کی عبارت بھی نقل کر دی ہے (سیف الجبار: ۵۰/۳۹) یہ ایک معاصر شہادت ہے، لہذا تحقیق الفتویٰ کے علامہ کی طرف انتساب میں شک نہیں کیا جاسکتا اور پھر سید حیدر علی ٹوکی کا علامہ کو مخاطب کر کے تحقیق الفتویٰ کا رد لکھنا اور اس کے جواب میں علامہ کا رسالہ امتناع الظہیر تصنیف کرنا اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ تحقیق الفتویٰ کو علامہ نے ۴ مقامات اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے:

پہلا مقام: اس میں شفاعت کی حقیقت، اس کے اقسام اور حضور اکرم ﷺ کی شان شفاعت اور مقام محمود پر گفتگو کی گئی ہے، ساتھ ہی شفاعت کے بارے میں تقویت الایمان کی طویل عبارت کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

دوسرا مقام: شاہ اسماعیل دہلوی کی عبارت "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے" کا ابطال، اسی مقام پر امتناع ظہیر اور امکان کذب کے مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے رسالہ یک روزی کے دلائل کا محاسبہ بھی کیا ہے۔

تیسرا مقام: اس مقام میں اس بات پر گفتگو کی گئی ہے کہ شفاعت سے متعلق تقویت الایمان کی زیر بحث عبارت حضور اکرم ﷺ کی تخفیف و توہین پر مشتمل ہے یا نہیں، چودہ وجوہ سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ یقیناً یہ عبارت حضور اکرم ﷺ کی تنقیص شان پر مشتمل ہے، اس مقام میں بھی آپ نے رسالہ یک روزی کی بعض دلیلوں کا جواب

دیا ہے۔

چوتھا مقام: اس میں اس بات پر بحث ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی تخفیف شان اور اہانت کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔

خاتمہ: اس میں آپ نے استفتا میں مذکور تینوں سوالات کے جوابات قلم بند کیے ہیں۔

تحقیق الفتویٰ کی ترتیب اور اس کے مندرجات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد ہم ایک اہم بات کی طرف اور اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ شاہ صاحب کتاب وسنت کا گہرا علم رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے موقف کو کتاب وسنت کے دلائل سے مزین کیا، جب کہ علامہ فضل حق خیر آبادی محض منطقی و فلسفی آدمی تھے، انہوں نے منطق و فلسفہ کی موشگافیوں اور جدل و مکابرے کے لفظی گورکھ دھندوں سے کام لیا، دراصل یہ بات قدیم زمانے کے بعض معتقدین اسماعیل اور مخالفین فضل حق نے لکھ دی، جب سے آج تک ہمارے ”غیر جانبدار مورخین و محققین“ اس کا اعادہ کرتے آرہے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کو تقریر اعتراضات، رسالہ یک روزی اور تحقیق الفتویٰ کی غالب زیارت کا بھی شرف حاصل نہیں ہوا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ یہ بات ہمارے عہد کے ایسے قلم کار بھی پورے یقین و اعتماد کے ساتھ لکھ رہے ہیں جو علوم کتاب وسنت اور منطق و فلسفہ کی موشگافیوں کے فرق سے بھی نا آشنا محض ہیں۔ تحقیق الفتویٰ کے مطالعے سے پتہ چلتا کہ اس میں علامہ نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لیے کم و بیش ۵۹ آیات کریمہ، ۷۷ احادیث رسول و آثار صحابہ اور ۲۶ جگہ تابعین، ائمہ دین، مفسرین اور علماء کے اقوال و عبارات پیش کی ہیں۔

ان آیات، احادیث، آثار اور اقوال ائمہ سے چاروں مقامات کی بحث مکمل کر کے علامہ نے آخر میں مستفتی کے تینوں سوالوں کے جوابات دیے ہیں، دراصل یہی اس پوری کتاب کا خلاصہ ہے، استفتا میں سائل نے تین سوالات کیے تھے: (۱) یہ کلام حق ہے یا باطل؟ (۲) اس کا یہ

کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی میں تنقیص و تخفیف ہے یا نہیں؟ (۳) اگر یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی کی تنقیص و تخفیف پر مشتمل ہے تو اس کے قائل پر شرعاً کیا حکم ہے؟

مذکورہ تینوں سوالات کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قائل کا کلام مذکور سر تا سر جھوٹ، دروغ، فریب اور دھوکہ ہے، کیوں کہ وہ گناہ گاروں کی نجات کے لیے شفاعت کے سبب ہونے کی نفی کرتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیاء و ملائکہ علیہم السلام اور اصفیا سے شفاعت و جاہلت اور شفاعت محبت کی نفی کرتا ہے۔

(۲) اس کا یہ کلام بلاشبہ بارگاہ الہی کے مقرنین کے سردار، انبیاء اصفیاء، مشائخ اور اولیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی تنقیص شان پر مشتمل ہے، اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) اس بے ہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے، اور ہرگز مسلمان نہیں ہے، اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے، جو شخص اس کے کفر میں شک اور تردد دلائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے، کافر و بے دین نامسلمان و عین ہے۔ (۲۱)

تحقیق الفتویٰ پر مندرجہ ذیل مشاہیر علمائے دہلی نے تائیدی دستخط اور مہر ثبت کیں: (۱) مولانا محمد شریف دہلوی (۲) مولانا حاجی محمد قاسم (۳) مولانا محمد حیات لاری (۴) مولانا کریم اللہ (۵) مولانا محمد رشید الدین (۶) مولانا مخصوص اللہ دہلوی (۷) مولانا محمد رحمت (۸) مولانا عبدالخالق (۹) مولانا محمد عبداللہ (۱۰) مولانا محمد موسیٰ دہلوی (۱۱) مولانا خادم محمد (۱۲) مولانا احمد سعید مجددی (۱۳) مولانا محمد حیات (۱۴) مفتی صدر الدین آزرده (۱۵) مولانا رحیم الدین (۱۶) مولانا محبوب علی۔

تحقیق الفتویٰ کی تصنیف (رمضان ۱۲۳۰ھ) کے چند ماہ بعد جمادی الاخریٰ ۱۲۳۱ھ میں شاہ اسماعیل دہلوی سکھوں سے لڑائی کے لیے سرحد کی طرف روانہ ہو گئے اور ۱۲۳۶ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس لیے اس وقت تحقیق الفتویٰ کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی یا ان کے تبعین کی جانب سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا اور وقتی

طور پر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا، اس کے تقریباً ۲۵/۲۰ برس بعد سید حیدر علی ٹوکی تحقیق الفتویٰ کے جواب کے ساتھ میدان میں آئے، اور اس دہائی ہوئی چنگاری کو انہوں نے شعلہ جوالہ بنا دیا نتیجے کے طور پر اختلاف و انتشار کا بازار گرم ہوا، جواب اور جواب الجواب چھپنے لگے، اور بالآخر امت اسلامیہ ہند انتشار و افتراق کا شکار ہو کر اپنی اجتماعی قوت اور توانائی سے محروم ہو گئی۔ □□□

حواشی و حوالے

(۱) یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عام طور پر لوگ تقویت الایمان کا سنہ تصنیف ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں، لیکن حکیم محمود احمد برکاتی کی تحقیق کے مطابق تقویت الایمان ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں تصنیف کی گئی، (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: ص ۱۳۳) اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

(۲) تقویت الایمان: ص ۲۵، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند۔
(۳) سفر اور تلاش: ص ۵۶/۵۷، محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد

(۴) سوانح احمدی: ص ۱۴۳، جعفر قاضی، بلائی اسٹیم پریس، ساڈھورا ضلع انبالہ، بار دوم سنہ ندارد

(۵) غالب اور ابوالکلام: ص ۱۲/۱۱، مرتبہ حقیقی صدیقی مکتبہ شاہراہ دہلی
(۶) مرجع سابق

(۷) سفر اور تلاش: ص ۵۷، محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد

(۸) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ص ۵۶، مرتبہ عبدالرزاق بلخ آبادی، طبع اول دہلی، ۱۹۵۸ء

(۹) فضل حق اور سنہ ستادون: ص ۱۰۴، محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء

(۱۰) دیکھیے: سیف الجبار: ص ۵۰ تا ۵۴، مطبع صبح صادق سیناپور، ۱۲۹۲ھ
(۱۱) استفنا اور اس کے جوابات کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے، جو مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے قلم کا معلوم ہوتا ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے: "ونقل است از اصلے کہ براں مہر رشید الدین خاں صاحب

، و مولوی مخصوص اللہ و مولوی موسیٰ و مولوی محمد شریف، و مولوی عبداللہ، و مولوی

فضل حق و دستخط مولوی اخون شیر محمد ثبت است۔" استفنا اور جوابات مع اردو ترجمہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اپنی کتاب "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان" میں شائع کیے ہیں، حضرت زید نے لکھا ہے کہ یہ استفنا مولانا رشید الدین خاں دہلوی نے کیا تھا اور اس کے جوابات شاہ اسماعیل دہلوی نے قلم بند کیے، مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، سیف الجبار میں درج روداد مناظرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے اس فتوے پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ "میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔"

(۱۲) یہ میر محمد معظم علی کے زیر اہتمام مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا ہے، ابتدا سے صفحہ ۱۲۷ تک ایضاح الحق ہے، ص ۱۳۸/۱۳۹ سے ص ۱۵۰/۱۵۱ کے آخر تک رسالہ یک روزی ہے، ص ۱۵۰ کی آخری تین سطروں سے ص ۱۵۸ کے آخر تک مفتی صدر الدین آزاد کی وہ تحریر ہے جس کا ذکر مولانا آزاد نے کیا ہے، ص ۱۵۸ کی آخری سطر سے ص ۱۶۳ کے ریلج تک مسئلہ امتناع نظیر پر ایک تحریر اور ہے

بقیہ: علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی

جس پر مصنف کے نام کا اندراج نہیں ہے، اور نہ ہی تاریخ موجود ہے، صاحب تحریر سے کسی نے مسئلہ امتناع نظیر پر سوال کیا ہے، انہوں نے اس کا تفصیلی جواب دیا ہے، یہ تحریر شاہ اسماعیل دہلوی کے موقف کی حمایت میں ہے، ص ۱۶۳ کے ریلج سے اس صفحے کے آخر تک خاتمہ کے عنوان سے مہتمم مطبع فاروقی میر محمد معظم کی تحریر ہے۔

(۱۳) سفر اور تلاش: ص ۶۱، محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد

(۱۴) اصل عبارت یہ ہے: قوله وهو محال لانه نقص والنقص عليه تعالیٰ محال، اقول: اگر مراد از محال متمنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الہیہ داخل نیست پس لاسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع واللقائے آں بر ملائکہ و انبیاء خارج از قدرت الہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع واللقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است، بہ کذب

مذکور آراء منفی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر است۔ رسالہ یک روزی مشمول
ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۵، مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ)

(۱۵) ملخصاً از تحقیق الفتویٰ، ص ۱۵۸ تا ۱۶۰، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء

(۱۶) اصل عبارت یہ ہے: لہذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانی

شمارند و اورا جل شانہ بآں مدح می کنند بخلاف اخرس و جماد کہ ایشان را کہے

بعدم کذب مدح نمی کند و پر ظاہر است کہ صفت کمال ہمین است کہ شخصے

قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد و بنا بر رعایت مصلحت و مقتضی حکمت بتزہ

از شوب کذب تکلم بکلام کاذب نمی آید ہاں شخص مدوح می گردد (رسالہ یک

روزی مشمول ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۵، مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ)

(۱۷) تحقیق الفتویٰ مترجم: ص ۱۶۰ تا ۱۶۱، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء

(۱۸) الحجۃ المقل: ص ۴۱، بحوالہ مقدمہ تحقیق الفتویٰ: ص ۶۱، دائرۃ المعارف

الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء

(۱۹) مرجع سابق

(۲۰) شرف صاحب نے مقدمے میں تحقیق الفتویٰ کے بعض مخطوطات کا

بھی ذکر کیا ہے، جو ان کی نظر سے گزرے یا ان کے علم میں آئے، تحقیق

الفتویٰ کا ایک علمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں علامہ کے شاگرد تاج

الحوال مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد اور رضویات

قلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن، مالیکان

فکرون کا گلستاں جس سے سدا شاداب تھا

وہ حسیں دل کش بہار گلستاں جاتا رہا

(علی احمد سیوانی)

عکس حیات:

علمی و ادبی دنیا کی مشہور شخصیت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ والد

ماجد مولانا ظفر الدین قادری رضوی (م ۱۹۶۳ء) امام احمد رضا کے خلیفہ تھے، ہیئت و فلکیات اور علوم

جدیدہ کے امام تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں حاصل کی، پٹنہ یونیورسٹی سے

میٹرکولیشن کر کے مدرسہ ایکوامینٹین بورڈ سے ”مولوی“ اور ”فاضل“ کیا۔ ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آئے،

۱۹۴۵ء میں انٹر اور ۱۹۴۷ء میں بی۔ اے کیا، ۱۹۴۹ء میں ایم۔ اے کیا اور اول آئے۔ پھر Ph.D. کا

عزم کیا، ۱۹۵۲ء میں Ph.D. کی ڈگری پائی۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے روکیفلر فاؤنڈیشن کی فیلوشپ

تفویض ہوئی اور آپ انگلینڈ تشریف لے گئے، پروفیسر ہملٹن کب کی نگرانی میں Social

Criticism in Modern Arabic Literature کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ لکھا، پروفیسر

کب کے مشورے پر ساتویں صدی ہجری کے شاعر و مصنف مسلم بن محمود کی تصنیف ”جمہورۃ الاسلام

ذات النثر والنظام“ کی تنقیدی تحلیل اور چوتھی صدی ہجری تک کے شعراء مصنفین کی کم یاب تحاریر کی

مرج کا موضوع بنے۔ ۱۹۵۶ء میں D.Fil. کا اعزاز پایا، جرمنی میں ہائڈل برگ یونیورسٹی میں بھی علمی

کام کیا، علاوہ ازیں فرانس، ترکی، لبنان، مصر اور عراق کا بھی علمی سفر کیا۔

۱۹۵۸ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ میں ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا،

یورپ جانے سے قبل یونیورسٹی کی لٹن لائبیری سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۸ء میں شعبہ عربی کے چیرمین

ہوئے، ۱۹۸۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے لیکن آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے ملازمت میں ۴۰ سال کی توسیع

کروائی گئی۔ بعد کو منظر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی بہار کے پہلے وائس چانسلر بنائے گئے، جامعہ اردو علی

گڑھ سے بھی وابستہ رہے۔ کئی عالمی اکیڈمیوں، تحقیقاتی اداروں اور تعلیمی بزموں کے مختلف عہدوں پر

بھی فائز رہے۔ ۱۹۷۹ء میں صدر جمہوریہ نے عربی زبان و ادب کی خدمات پر سرٹیفکیٹ آف آنر سے

نوازا، ۱۹۸۳ء میں اردو فارسی تحقیق پر غالب ایوارڈ پایا۔

علمی و ادبی اور دینی موضوعات پر ساری زندگی کام کیا۔ قلم کا سفر وصال تک جاری رہا، مکتوبات و مخطوطات کے فن میں بے نظیر تھے، اردو کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی علمی کام انجام دے کر ”توقیر عرب تنویر عجم“ کہلائے۔ عالمی سطح پر آپ کے اہل علم و دانش سے روابط ایسے تھے جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ ۳۰ جون ۲۰۱۰ء / ۱۷ رجب ۱۴۳۱ھ بدھ کی صبح وصال فرمایا، حسب وصیت جنازہ امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی نے پڑھایا اور تدفین علی گڑھ میں ہوئی۔

تعلق و وجہ تعلق:

پروفیسر مختار الدین احمد کی علمی خدمات کے معترف اپنے پرارے سہمی ہیں۔ راقم پر وہ مہربان تھے، خط سے رابطہ تھا، راقم کو رضویات سے ذوق ہے، خط لکھتا ان سے رضویات سے متعلق مشورے طلب کرتا، جواب فوراً دیتے، مشورے دیتے، مواد کی نشان دہی کرتے۔ رضویات پر گرچہ انھوں نے کم لکھا لیکن جو لکھا ٹھوس لکھا، رضویات کے حوالے سے رہ نمائی کرتے، رضویاتی ادب پر کام کے حوالے سے ان کے خطوط یک جا کیے جائیں تو ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آئے گا۔ راقم کے نام تقریباً ۱۵ خطوط ہیں، جو چند سالہ رابطے کا نتیجہ ہیں، فون بھی کرتے، درجنوں فون کیے، راقم نے کم ہی فون لیا لیکن ان کی محبت و شفقت کا یہ حال کہ کبھی راقم کا خط نہیں پہنچتا تو فون کر کے کہتے آپ کی یاد آتی ہے، یہ محبت کس بنیاد پر تھی، ذوق رضویات کی بنیاد پر۔ راقم نے جب علی گڑھ پہنچ کر ان سے ملاقات کی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ رضویات کے موضوع سے آپ کی دل چسپی ہے۔ اسی موضوع کو مستقل طور پر موضوع تحریر بنالو۔

رضویات و متعلقات رضویات:

وہ عالمی محقق تھے، بین الاقوامی دانش ور تھے، ان کے مطالعے کی میز پر درجنوں تازہ بہ تازہ رسائل ہوتے لیکن وہ سب سے زیادہ مشتاق ماہ نامہ ”جہان رضا“ لاہور کے ہوتے۔ وہ مرد درویش عاشق رضا حضرت پیر زادہ اقبال احمد فاروقی مدیر جہان رضا کے مدح تھے، ان کی تحریروں کے قدردان تھے، ان کے دوست تھے، راقم سے فرمایا کہ اس وقت پیر زادہ اقبال احمد فاروقی لاہور میں اور سید وجاہت رسول قادری کراچی میں اعلیٰ حضرت پر بڑا کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام کا انداز مجھے پسند ہے۔

رضا اکیڈمی کی خدمات سے بھی متاثر تھے، مجھ سے فرمایا کہ الحاج محمد سعید نوری بڑے متحرک ہیں، مفتی اعظم کے عاشق صادق ہیں، انھوں نے مفتی اعظم ہند پر بڑی ضخیم کتاب (جہان مفتی اعظم) شائع کر دی ہے۔..... واضح رہے کہ اس کتاب میں ایک اہم مقالہ ڈاکٹر مختار الدین کا بھی ہے، مکاتیب مفتی اعظم بہ نام ملک العلماء، جس میں آپ نے نہایت اہم باتیں حاشیے میں لکھی ہیں اور عمدہ تمہید بھی۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اس کی علاحدہ اشاعت بھی کی اور اس کا ایک نسخہ راقم کو عنایت کیا۔

رحلت سے قبل آپ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی سے مراسلت کو کتابی شکل میں مرتب کر رہے تھے، یہ مراسلت خصوصی طور پر ”رضویات“ سے تعلق رکھتی ہے، راقم نے پروف خود دیکھا ہے، اس کے بعد ان کا ارادہ ملک العلماء کے مکاتیب کی اشاعت کا تھا، اس سلسلے میں راقم کو بتایا کہ ملک العلماء کے مکاتیب کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے جن میں سو کے لگ بھگ خطوط میرے نام ہیں، اور تقریباً اتنے ہی علماء و مشائخ کے نام، واضح رہے کہ راقم کے علمی ذخیرے میں ملک العلماء کے کافی تعداد میں مکاتیب محفوظ ہیں جن پر مستقبل میں کام کیا جائے گا، ڈاکٹر مختار الدین چاہتے تھے کہ ملک العلماء کے مکتوبات کی ترتیب میں ہمیں ہاتھ بٹاؤں۔ ان کی حیات کا باب مکمل ہونے والا تھا اس سے پہلے ہی یہ علمی ذخیرہ عمدہ عکس بنوا کر راقم کو بھجوا دیا۔

ان کے ذوق رضویات سے متعلق ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

”فکر رضا پران کی گہری نظر تھی، رضویات پران کی پہلی تحریر ۱۹۷۶ء میں سامنے آئی، جو المیزان ممبئی میں چھپی، پھر گاہے گاہے لکھتے رہے۔ یہ سچ ہے، جس لگن، دل چسپی، سرگرمی سے انھوں نے دیگر موضوعات پر کام کیا، وہ ان کا اپنا ذوق تھا، مگر رضویات سے قطع تعلق بھی نہیں رہے۔ جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھوس کیا، علمی سچ پر کیا، ان کا ایک صفحہ اوروں کے کئی صفحات پر بھاری ہوگا۔ رضویات، متعلقات رضویات، اعلیٰ حضرت، شہزادگان اعلیٰ حضرت، خلفائے اعلیٰ حضرت، معتمدین اعلیٰ حضرت، دیگر علمائے اہل سنت کے متعلق خاصی معلومات رکھتے تھے، اس حوالہ سے ان کے پاس خاصا ذخیرہ تھا۔ خطوط مفتی اعظم بنام ملک العلماء اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔“

ڈاکٹر صاحب سے راقم کی ملاقات ۱۶/۷/۱۹۷۶ء کو ہوئی، گھنٹوں گفتگو رہی، موضوع تھا امام احمد رضا، تلامذہ و خلفائے رضا اور شہزادگان رضا۔ انھیں اس موضوع سے دل چسپی تھی۔ حافظ قوی تھا، یادوں کے نقوش واضح کرتے رہے۔ ماضی کی کڑیاں ملاتے رہے، شہزادگان رضا علامہ حامد رضا خاں و مفتی اعظم سے ملاقات اور ان کے علم و فن پر کافی دیر تک روشنی ڈالی۔ بتایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت کے بہت سے خلفاء و تلامذہ سے ملاقات کی ہے۔ اسی ملاقات میں بتایا کہ جب میں ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آیا تو وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد (م ۱۹۴۷ء) تھے، وہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گئے تھے اور ریاضی میں استفادہ علمی فرمایا تھا، اکثر اعلیٰ حضرت کا ذکر کرتے رہتے تھے، بریلی حاضری کا واقعہ مجھ سے خود بیان کیا، امام احمد رضا کے علوم کے مدح تھے۔

ڈاکٹر مختار الدین سے راقم نے دریافت کیا کہ آپ نے امام احمد رضا کے حوالے سے کافی رہ نمائی کی ہے اس ضمن میں آپ نے اب تک کتنے مقالے لکھے، ڈاکٹر صاحب نے ۵۴ مقالوں کا ذکر کیا اور کہا کہ انھیں مرتب کر کے اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کرو، ان میں چند اس طرح ہیں:

(۱) ملفوظات فاضل بریلوی۔ اشاعت: سامعی فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۳۵، شمارہ ۲، ۱۹۹۸ء

(۲) ہندوستان کے ایک بے حد ممتاز مصنف شیخ احمد رضا خاں - اشاعت: سہ ماہی فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۳۳، شمارہ ۳، ۱۹۹۷ء

(۳) نوا اور رضا - ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی، جولائی ۲۰۰۱ء

(۴) امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ - المیزان کا امام احمد رضا نمبر / قاری دہلی اپریل ۱۹۸۹ء

آپ کی تحقیق میں کافی گہرائی ہے، موضوع سے متعلق تمام گوشوں کا احاطہ کر لیتے ہیں، امام احمد رضا پر جو لکھا اس میں جہاں دلائل سے کام لیا وہیں والد ماجد کی روایات و تحقیقات کا بھی سہارا لیا، تحریر میں سادگی، متانت اور حق بیانی ہے، اسی لیے رضویات پر آپ کی تحریروں میں علیست کا رنگ گہرا ہے، تحقیقات رضویہ کی فنی وجاہت بھی ظاہر فرماتے۔ وقت نظر کا یہ حال کہ باریک سے باریک نکتہ بھی فرو گذاشت نہیں ہونے دیتے۔

رضویات پر علمی کام انجام دینے والی شخصیات اور اداروں سے بھی آپ کے روابط تھے، راقم سے فرمایا کہ مجلس رضالاہور کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی (م ۱۹۹۹ء) سے میری مراسلت تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اعلیٰ حضرت پر بڑا کام کیا، ان کی مجلس میں آنے والا اعلیٰ حضرت کا ندائی بن جاتا، فکر رضا کا شیدائی بن جاتا، بڑے بڑے اہل علم حکیم صاحب کے توسط سے امام احمد رضا سے متعارف ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) جو ماہر رضویات کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتے ہیں کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے امام احمد رضا کے پیغام کو کامیابی کے ساتھ دنیا بھر میں پہنچایا، میرے ان سے تعلقات تھے۔ انھوں نے امام احمد رضا پر بڑا کام کیا..... راقم نے رضویات پر تحقیق سے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت پر خوب کام ہو رہا ہے لیکن ابھی بہت کام باقی ہے، محققین کو ان گوشوں پر بھی متوجہ ہونا چاہیے جن پر ابھی لکھا نہیں گیا۔

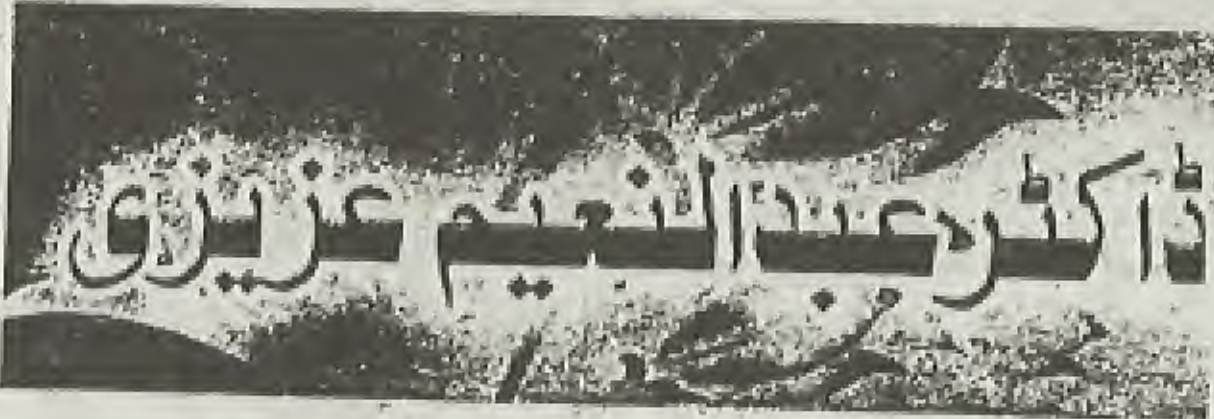
وہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کے متعلقین میں اپنے پرانے سبھی تھے، وہ گردشِ دوراں سے متاثر نہیں ہوئے، مسلک اہل سنت پر گام زن تھے، مسلک رضا کے شیدائی تھے، اسی مسلک کے مطابق آخری سفر طے کیا، اپنے آخری مکتوب میں حضور امین ملت کے نام لکھتے ہیں:

”آپ اپنے مسلک و طریقت کے مطابق تمام امور انجام دے کر ممنون کریں۔“

(مکتوب کا عکس ملاحظہ کریں: نل سنت کی آواز، ماہرہ مطہرہ، خصوصی شمارہ کا بر ماہرہ ۲۰۱۰ء، ص ۷۲۳)

انھوں نے جو کچھ لکھا تحقیق کے بعد لکھا..... ایک بڑا ذخیرہ ہے، حلاش پر بہت سے جواہر سامنے آئیں گے، خطوط، روزنامے، تاثرات، انٹرویوز..... ضرورت ہے اس دانش ور کی شخصیت کا جائزہ رضویات کے تناظر میں لیا جائے تو یقیناً یہ ایک بڑا علمی کام ہوگا۔

ماہر رضویات فی الہند



پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

بزر صغیر پاک و ہند میں اقبالیات کے وزن پر رضویات (تعلیمات امام احمد رضا) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اتنی زیادہ معنی خیز سمجھی جاتی ہے کہ اس شاعری میں علمی خزانے کو تلاش کرنے کے لیے متعدد محققین سو برس سے تحقیق اور جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر محمد اقبال کی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اور فکر کو مزید وسعت دینے کے لیے جامعہ پنجاب میں باقاعدہ ایک علمی شعبہ ”اقبالیات“ کے نام سے معرض وجود میں آیا اور اب تک متعدد افراد ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی مختلف جہتوں پر کام کرتے ہوئے بی ایچ ڈی اور ایم فل کی اسناد حاصل کر چکے ہیں اور مستقبل میں مزید لوگ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی مزید نئی جہتوں کو تلاش کر کے اعلیٰ سند حاصل کرتے رہیں گے تاکہ یہ شعبہ اقبالیات دیر تک قائم رہ سکے۔

بزر صغیر پاک و ہند میں ڈاکٹر اقبال جیسی کئی شخصیات ایسی ہیں جن کے علمی خزانے آج بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ ان شخصیات کے علمی کاموں پر مختلف جہتوں سے ریسرچ کی جائے اور ان کی علمی کاوشوں سے قوم کو آگاہی دی جائے اور اس علمی کام سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ یہ علمی شخصیات ایک طرف عہد ساز شخصیات ہیں

اور دوسری طرف ان کے علمی ذخیرے لاکھوں لوگوں کی رہنمائی کے لیے اصول خزانے ہیں۔ ان شخصیات میں چند نام بہت بڑے ہیں، مثلاً حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف بہ حضرت مجدد الف ثانی (المتوفی 1034ھ/1624ء) کی شخصیت اور ان کے خطوط کا مجموعہ ”مکتوبات امام ربانی“ وہ عظیم علمی ذخیرہ ہے کہ ان مکتوبات کا جتنی بھی جہتوں سے مطالعہ کیا جائے ہر جہت سے ایک نیا فن پارہ وجود میں آتا ہے؛ چنانچہ اب تک ہزاروں مقالات اس ایک تصنیف کے حوالے سے وجود میں آچکے ہیں۔ متعدد حضرات ایم فل اور پی ایچ ڈی مقالات تحریر کر چکے ہیں، اس کے علاوہ سب سے بڑا علمی کارنامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تالیف ”جہان امام ربانی“ کے نام سے جو ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے؛ مگر ابھی اس خزانے میں بہت سے موتی پوشیدہ ہیں جن کو کوئی غوطہ زن ہی نکال سکتا ہے۔ لہذا جامعات کو چاہیے کہ اس اہم تصنیف کے عنوان سے بھی ایک ریسرچ شعبہ قائم کریں۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں خاندان ولی اللہ کی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں؛ اس خاندان نے چار، پانچ نسلوں تک مسلسل دین کی خدمت کی ہے اور لوگوں کی مکمل رہنمائی کی ہے، مثلاً شاہ عبدالرحیم دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نام ان کی قلمی خدمات کے باعث سنہری حرفوں سے لکھنے کے لائق ہیں۔ لہذا پاک و ہند کی جامعات کو اس خاندان کی قلمی میراث کو آگے بڑھانے کے لیے بھی ایک شعبہ قائم کرنا چاہیے۔

• برصغیر پاک و ہند میں ایک انتہائی عظیم عہد ساز شخصیت امام احمد رضا خان قادری بریلوی ہیں، جن کا علمی قلمی کام اس قدر وسیع ہے کہ ان کے کام کو سمیٹنے کے لیے ایک دو شعبے نہیں، بلکہ ایک کلیہ (فیکلٹی) ہی نہیں بلکہ پوری ایک جامعہ درکار ہے۔ وہ اس لیے کہ ایک جامعہ میں کم از کم چند شعبے ضرور ہوتے ہیں اور بڑی جامعات میں ان شعبوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ تجاوز کرتی ہے اور اس سے بڑی جامعات میں شعبوں کی تعداد ۱۰۰ اور اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

امام احمد رضا نے صرف چند عنوانات پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ اپنے عہد کے تمام مروجہ شعبہ جات کے حوالے سے کم از کم چند تصانیف ضرور لکھی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کرتی ہے۔ ان ایک ہزار کتب میں عنوانات کی تعداد موجودہ دور کے شعبہ جات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ایک سو سے زیادہ ہے۔ اس لیے اگر مسلمان اس علمی شخصیت کو صرف علمی نگاہ سے دیکھیں اور کوئی تعصب نہ رکھیں تو یہ عالم اسلام کی اتنی بڑی علمی شخصیت ہے کہ شاید ہی برصغیر میں ان جیسی کوئی دوسری علمی

شخصیت ہو، اس لیے اس شخصیت کے علمی کام کو عام انسانوں تک اسی وقت پہنچایا جاسکتا ہے جب اس شخصیت کے اس علمی کام کو ہر شعبہ کے اعتبار سے ریسرچ کروا کر اس کو عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ خاص کر امام احمد رضا نے جو کچھ علوم عقلیہ کے حوالے سے مختلف سائنسی علوم و فنون پر جو شہ پارے یادگار چھوڑے ہیں ان کو زیور طبع کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عام مسلمان اس عظیم سائنسدان کی علمی کاوشوں اور فکر سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

ابھی تک سرکاری کیا نیم سرکاری سطح پر بھی امام احمد رضا کی علمی شاہکاروں کو متعارف نہیں کرایا جاسکا اور نہ ہی کسی بھی جامعہ میں کوئی ریسرچ شعبہ آپ کے نام کے حوالے سے قائم کیا گیا البتہ امام احمد رضا کے مختلف علمی گوشوں کو تحقیقی انداز سے مقالات اور تصانیف کی شکل میں شائع کر کے عوام الناس تک پہنچانے میں کئی محققین کا نام ماہر رضویات کے طور سے لیا جاسکتا جنہوں نے پچھلی نصف صدی میں امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے علمی اور فکری نظریات کو عام لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مثلاً علامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی، حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری، حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، حضرت علامہ سید ریاست علی قادری، حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، حضرت مولانا عبدالمنان

اعظمی، حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ مولانا عبدالمبین نعمانی، حضرت علامہ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، حضرت علامہ یسین اختر مصباحی، علامہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، حضرت علامہ مولانا عبد المنان چانگانی، حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری، حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری وغیرہ وغیرہ؛ مگر دو نام جنہوں نے اپنی تحریر سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور تحقیق کا حق ادا کیا اور امام احمد رضا کی مختلف علمی جہتوں سے لوگوں کو متعارف کرایا اور ان کی تحریر میں خود ایک اکیڈمی کا درجہ اختیار کر گئیں وہ دو نام ہیں: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی دہلوی (المتوفی ۲۰۰۸ء) اور ڈاکٹر محمد عبد النعیم عزیزی بلراپوری ثم بریلوی (المتوفی ۲۰۱۱ء)۔

دنیا کے علم و دانش نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو ان کی ۳۵ سالہ تحقیقی خدمات پر ”ماہر رضویات“ کا خطاب دیا اور ان

کے بعد ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب کو ”ماہر رضویات فی الہند“ کے لقب سے نوازا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رضویات پر خدمات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جن میں آپ کی قلمی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے:

- ۱۔ تذکار مسعود ملت، محمد عبدالستار طاہر، رضا دارالاشاعت، لاہور۔
- ۲۔ حضرت مسعود ملت اور رضویات، محمد عبدالستار طاہر، رضا اکیڈمی، لاہور۔
- ۳۔ تخصصات حضرت مسعود ملت، محمد عبدالستار طاہر، ادارہ منظر اسلام، لاہور۔

- ۴۔ مکتوبات مسعودیہ، محمد عبدالستار طاہر، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔
- ۵۔ منزل بہ منزل، محمد عبدالستار طاہر، انٹر نیشنل پبلی کیشنز، حیدر آباد۔
- ۶۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حیات، علمی اور ادبی خدمات (پی ایچ ڈی مقالہ)، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، کراچی۔
- ۷۔ مسعود ملت اور امام احمد رضا، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ادارہ مسعودیہ، کراچی۔

- ۸۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور نثر اردو، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ادارہ

مسعودیہ، کراچی۔

- ۹۔ جواہر مسعودیہ، پروفیسر حافظ سید مقصود علی، ادارہ مسعودیہ، کراچی۔

- ۱۰۔ دو مجدد اور مسعود ملت، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کی تحریر کا مرکز ۹۰ فیصد امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کی علمی خدمات ہیں۔ ڈاکٹر عزیزی صاحب جو ایک ادبی شخصیت کے مالک ہیں؛ مگر انہوں نے چونکہ بی ایس سی آنرز بھی کیا ہوا ہے اس لیے سائنسی علوم سے بالخصوص فزکس اور میتھ کے علوم سے خاص دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد رضا کی علوم عقلیہ پر جو تصانیف ہیں اور خصوصیت کے ساتھ جو فزکس اور حساب سے متعلق ہیں ان پر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب نے کئی مقالات تحریر کیے ہیں جن میں امام احمد رضا کے ان علوم کی نہ صرف پزیرائی کی بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے یہ امام نہ صرف علوم اسلامیہ کے علوم کے امام وقت ہیں بلکہ علوم عقلیہ کے علوم کے بھی مسلمان سائنسدان ان کی حیثیت سے امام الوقت ہیں۔ امام احمد رضا کی معرکتہ الآرا تصنیف ”فوز مبین در رد حرکت زمین“ کو انہوں نے ایڈٹ کر کے اس کو فرہنگ کے ساتھ شائع کر کے ایک اہم خدمت انجام دی اور اس کے علاوہ کئی مقالات سائنسی علوم کے حوالے سے قلمبند کیے ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ علوم عقلیہ کے حوالے سے لکھے گئے امام احمد رضا کی تصانیف کی روشنی میں جو مقالات ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے تحریر کیے اور مختلف جرائد میں شائع ہوئے اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

- ۱۔ کلام رضا اور علوم ریاضی، سالنامہ معارف رضا، ۱۹۹۲ء۔
- ۲۔ امام احمد رضا اور تصنیف فوز مبین، سالنامہ معارف رضا، ۱۹۹۷ء۔
- ۳۔ امام احمد رضا اور بینکنگ کا نظریہ، ماہنامہ معارف رضا، شمارہ فروری ۲۰۰۱ء۔

- ۴۔ ملفوظات رضا اور مابعد الطبعیات نظریات، شمارہ ۲۸، ۲۰۰۸ء۔

معارفِ رضا کے علاوہ دیگر رسائل میں شائع ہونے والے مقالات اور تصانیف بھی ملاحظہ کیجیے:

۱۔ امام احمد رضا اور الجبر، مع انگریزی ترجمہ:

The Algebraic work of Imam Ahmed Raza.

۲۔ امام احمد رضا اور ٹاپولوجی۔

۳۔ امام احمد رضا اور صوت و صدا۔

۴۔ امام احمد رضا اور علمِ طبیعیات۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے امام احمد رضا کی شخصیت اور ادبی شخصیات میں جو مقالات تحریر کیے ان کی تفصیل ملاحظہ کریں:

۱۔ کلامِ رضا میں محاکات پیکر تراشی، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۸۸ء۔

۲۔ کلامِ رضا اور ضلعِ بکلت، معارفِ رضا سالنامہ، شمارہ ۱۲، ۱۹۹۲ء۔

۳۔ امام احمد رضا اور علامہ ہدایت رسول، معارفِ رضا، ۱۹۹۴ء۔

۴۔ انجلی حضرت بحیثیت ناقد و شارح، معارفِ رضا سالنامہ، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ مولانا احمد رضا کے تحقیقی رویے اور محرکاتِ شاعری، سالنامہ معارفِ رضا، شمارہ ۲۶، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ رباعیاتِ رضا، معارفِ رضا سالنامہ، شمارہ ۲۵، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ فرخِ رضویات اور طبیعتِ خواتین، سالنامہ معارفِ رضا، ۲۰۰۷ء۔

۸۔ کنز الایمان کا ادبی و لسانی جائزہ، سالنامہ معارفِ رضا، ۲۰۰۹ء۔

۹۔ امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال، ماہنامہ معارفِ رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۲ء۔

۱۰۔ فتاویٰ رضویہ کا نثری اسلوب، معارفِ رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء۔

۱۱۔ کنز الایمان میں محاورات کی بہار، معارفِ رضا، شمارہ جون ۲۰۰۶ء۔

معارفِ رضا کے علاوہ دیگر رسائل و جرائد میں شائع ہونے

والے مقالات اور تصانیف:

۱۔ اعلیٰ حضرت۔

۲۔ اعلیٰ حضرت اعلیٰ حضرت کیوں؟

۳۔ امام احمد رضا کے القاب و آداب۔

۴۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت۔

۵۔ امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں۔

۶۔ امام احمد رضا اور چشتی مجددِ دین اسلام۔

۷۔ امام احمد رضا ساداتِ کرام کی نظر میں۔

۸۔ کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔

۹۔ شرح قصیدہ رضا۔

۱۰۔ امام احمد رضا اور محسن و امیر۔

۱۱۔ اقبال مسلکِ رضا کے آئینے میں۔

۱۲۔ بلبلِ بستانِ رضویت۔

۱۳۔ کلامِ رضا میں محاورات اور ضرب الامثال۔

۱۴۔ طنزیاتِ رضا۔

۱۵۔ امام احمد رضا کی منقبت نگاری۔

۱۶۔ امام احمد رضا اور مسعود ملت۔

۱۷۔ رضا گائیڈ بک (برائے طلبہ و معلمین، کھنڈ یونیورسٹی)

خاندانِ امام احمد رضا کی خدمات کا بھی آپ نے گاہے بہ گاہے جائزہ لیا اور کئی شخصیات کے حوالے سے چند اہم مقالات تحریر فرمائے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ مفتی اعظم ہند (امام احمد رضا کے چھوٹے صاحبزادے)

۲۔ نجمۃ الاسلام (امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے)

۳۔ مفسرِ اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں (امام احمد رضا کے پوتے)

۴۔ ریحانِ ملت اور ابر بخش (امام احمد رضا کے پر پوتے)

۵۔ منظر اسلام مرکز اہل سنت (امام احمد رضا کا قائم کردہ دارالعلوم)

۶۔ منظر اسلام اور سنی تحریکات

۷۔ مفتی اعظم بحیثیت نقاد و شارح، ماہنامہ معارفِ رضا، جنوری ۲۰۰۶ء

۸۔ شانِ بریلی علامہ تحسین رضا خاں (امام احمد رضا کے بیٹے بھائی

مولانا حسن رضا کے پوتے)

۹۔ مفتی اعظم ہند مجدد کیوں؟

۱۰۔ ہمارے مفتی اعظم

۱۱۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے امام احمد رضا کے کئی رسائل انگریزی زبان میں منظر کیے۔ ان میں سے جو شائع ہو چکے ہیں ان کی فہرست ملاحظہ کیجیے:

۱۔ اسماع الاربعین 40 Ahadith of Intercession

۲۔ فوائد صدقات Importance of Muslim Charity

۳۔ دعوت میت Funeral Feast

۴۔ میلاد النبویہ Al-Milad-un-Nabawiyah

۵۔ غایتہ التحقيق The Caliphate of Hazrat Abu bakar And Hazrat Ali

۶۔ صلاۃ الصفا The Prophet's Noor

۷۔ قمر التمام فی نفی النبی عن سید الانام Did the Prophet has Shadow

۸۔ الفرق الوجیز Basic Islamic Faith

۹۔ الجراز الدیانی علی الرند القادیانی Qadiyani are Kaafir

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے ہندی زبان میں بھی امام احمد رضا کے حوالے سے چند مقالات تحریر فرمائے ہیں جو ہند کے مختلف جرائد میں کئی دفع شائع ہو چکے ہیں اور الگ کتابی صورت میں بھی شائع کیے گئے ہیں۔

۱۔ عظیم البرکت فاضل بریلوی۔

۲۔ مسلک اعلیٰ حضرت۔

۳۔ امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں۔

۴۔ مفتی اعظم۔

۵۔ انوار مفتی اعظم۔

۶۔ امام احمد رضا کے رسالے ”السوء العقاب علی المسیح الکذاب کا ہندی ترجمہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا سب سے اہم کام امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو انھوں نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی میں پیش کر کے ۱۹۹۳ء میں اعلیٰ سند حاصل کی۔ آپ نے یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر زاہد حسن دسیم بریلوی کی نگرانی میں لکھا تھا۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا نے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی کی اس علمی خدمت کو سراہتے ہوئے اپنی ۷۱ ویں امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۷ء

میں امام احمد رضا گولڈ میڈل ریسرچ ایوارڈ پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے اس مقالے کو مزید بہتر بنا کر اور اپنی یونیورسٹی سے اجازت لے کر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کو شائع کرنے کے لیے پیش کیا۔ ادارے نے اس پی ایچ ڈی کے مقالے کو ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ اس سے قبل ادارے نے احقر کے پی ایچ ڈی کے مقالے ”کنز الایمان اور دیگر معروف اردو تراجم قرآن“ کو بھی شائع کیا تھا؛ جب کہ ادارے کی جانب سے دو ایم فل کے مقالے عربی زبان میں بھی شائع کیے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ”اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی“ کی اشاعت کے وقت برصغیر پاک و ہند کے ممتاز اہل قلم سے تقاریظ بھی حاصل کی تھیں جو اس مقالے کے اندر شائع کی گئی ہیں۔ ان تقاریظ میں سے چند کے مختصر اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے صدر نشین محترم المقام جناب سید وجاہت رسول قادری لکھتے ہیں: ”اردو نعت اور فاضل بریلوی پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے ایک عظیم علمی اور ادبی خدمت انجام دی ہے جس پر وہ ہم سب کے بالخصوص خواجہ تاشان رضویہ کی طرف سے مبارک باد اور ستائش کے مستحق ہیں۔“ (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ڈاکٹر عزیزی، ص ۹) اس سے قبل سید وجاہت رسول قادری صاحب آپ کو ”ماہر رضویات فی الہند“ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”رضویات کے موضوعات سے ان کی لگن اور دلچسپی کے باعث اہل علم انہیں ”ماہر رضویات فی الہند“ کے نام سے یاد کرنے لگے ہیں۔ یہ مستند طور پر شنیدہ ہے کہ بریلی شہر میں ان کی ذاتی لا بھری رضویات پر تحقیقی کام کے حوالے سے ہندوستان کی فوجی لا بھریوں میں سب سے بڑی لا بھری کا درجہ رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کا قابل ستائش بلکہ قابل تقلید وصف یہ بھی ہے کہ وہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ایم فل / پی ایچ ڈی کرنے والے ریسرچ اسکالرز کی رہنمائی کے لیے ہمہ

وقت مستعد رہتے ہیں (تھے)۔“ (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۸)

ہندوستان کے ممتاز محقق اور نقاد پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے پی ایچ ڈی مقالے کو سراہتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”میں اتنا کہنے اور لکھنے میں حق بجانب ہوں کہ بیسویں صدی کے ہندوستان میں جس طرح عصری جامعات میں ریسرچ و تحقیق مختلف زاویوں سے مولانا احمد رضا خاں کی عمیقی شخصیت پر ہوئی ہے، ہندوستان کے کسی دوسرے عالم دین پر نہیں ہوئی۔ اسی سلسلہ الذہب کی ایک کڑی ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تحقیقی کاوش ہے، جسے انھوں نے اردو دنیا کے مشہور ادیب و شاعر پروفیسر وسیم بریلوی کی نگرانی میں ”اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی“ کے عنوان سے جمع کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۲۵)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کی ایک اور اہم خدمت بریلی شریف کی خانقاہ سے جاری ہونے والے ماہ نامہ سنی دنیا کا رسالہ ہے جو غالباً دسمبر ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا۔ وہ ۱۹۸۲ء میں اس کے اول ایڈیٹر ہوئے اور ان کی ادارت کا یہ سلسلہ ۱۹۹۲ء تک جاری رہا۔ اس دوران انھوں نے ہر ماہ نامہ میں ”باب سخن“ کے عنوان سے ادارہ لکھا، جس میں امام احمد رضا کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر دور کے حالات کے پیش نظر ادارے لکھے اور اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو یہ ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے، جس میں مختلف عنوانات پر امام احمد رضا کے نظریات کو پیش کیا گیا ہے۔ ماہ نامہ سنی دنیا بریلی شریف سے مفتی اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی بریلوی التوفیٰ ۱۹۸۲ء کے وصال کے بعد ان کے جانشین حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری قادری بریلوی مدظلہ العالی نے ان کی یاد میں اپنی خانقاہ سے جاری کیا اور ادارت کی ذمہ داری اپنے خاص معتمد عبدالنعیم عزیزی صاحب کو سونپی جنھوں نے اپنی ادارت میں اس کو ۱۰ سال تک جاری رکھا اور یہ رسالہ مسلک اعلیٰ حضرت کی پہچان بن گیا۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو برصغیر پاک و ہند کے مختلف اداروں

نے ان کی قلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو گولڈ میڈل اور یادگار شیلڈ پیش کی جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ پاکستان نعت اکیڈمی جس کے بانی علی حسین ادیب رائے پوری (التوفیٰ ۲۰۰۵ء) تھے۔ انھوں نے کراچی میں ۱۹۹۱ء میں برصغیر پاک و ہند کے متعدد اردو ادب کے قلم کاروں کو ان کی خدمات کے اعتراف میں نعت ایوارڈ دیے؛ چنانچہ عبدالنعیم عزیزی صاحب کو بھی نعت ایوارڈ سے نوازا گیا۔

۲۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پچھلے دو دہائیوں سے امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی حاصل کرنے والوں کو امام احمد رضا گولڈ میڈل پیش کر رہا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو بھی ان کی پی ایچ ڈی کی سند تفویض ہونے کے بعد ۱۹۹۷ء کی سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر ان کو امام احمد رضا ریسرچ گولڈ میڈل پیش کیا گیا۔

۳۔ اسی دوران المصطفیٰ ویلٹر سوسائٹی جس کے بانی حاجی محمد حنیف طیب صاحب ہیں انہوں نے بھی ان کے ۱۹۹۷ء کے دورے کے موقع پر عبدالنعیم عزیزی صاحب کو نہ صرف استقبالیہ پیش کیا بلکہ ان کو سند اعتراف بھی پیش کی۔

۴۔ مرکزی خانقاہ رضویہ بریلی شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت علامہ مولانا مفتی سبحان رضا خاں سبحانی میاں ابن مولانا مفتی سبحان رضا خاں سبحانی میاں (التوفیٰ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) ابن مولانا مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی (التوفیٰ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) ابن مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی (التوفیٰ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) ابن امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی (التوفیٰ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے قائم کردہ مدرسہ ”منظر اسلام“ کے صد سالہ جشن کے موقع پر دنیا بھر میں امام احمد رضا پر تحقیق کرنے والوں کو منظر السلام ایوارڈ پیش کیا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو بھی یہ ایوارڈ پیش کیا گیا۔ یہ ایوارڈ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے سرپرست اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو، ادارے کے صدر نشین حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب کو اور اختر کو بھی پیش کیے گئے تھے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی، جو ایک کہنہ مشق قلم کار، بلند پایہ محقق، ادیب اور ماہر رضویات تھے اور علمی اور دینی حلقوں میں اپنی پہچان رکھتے تھے اور قدر و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، اچانک قضائے الہی سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۲۰۱۱ء انتقال کر گئے۔ خداوند کریم ان کی بخشش و مغفرت فرمائے اور ان کی قلمی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین)۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب تعلیمات رضا کی خدمت انجام دیتے ہوئے امام احمد رضا کے قصیدہ درود یہ کے اس شعر کے مصداق بن گئے

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

کیا آپ ﷺ چالیس سال کی عمر تک ولی تھے؟

حضرت علامہ مفتی محمد خاں صاحب قادری

دارالعلوم الاسلامیہ - لاہور

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے مقدس نور کو تخلیق اول کے طور پر پیدا کیا اور نبوت سے نوازا جسے اہل علم نے حقیقت محمدیہ سے تعبیر کیا اور یہ واضح کیا کہ یہ محض علم الہی میں ہونا نہیں بلکہ یہ آپ ﷺ کا ایک ایسا امتیاز و خصوصیت ہے کہ یہ کسی اور کو حاصل نہیں یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں علم الہی میں تھیں مگر کسی نبی نے بھی اپنا یہ امتیاز ماسوائے رسول اللہ ﷺ کے بیان نہیں کیا جو واضح کرتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے اس پر امام عبد الجلیل قسری (ت: ۶۰۸) امام شرف الدین بوسیری (ت: ۶۹۶) اور امام تقی الدین سبکی (ت: ۷۵۶) نے تفصیل سے لکھا ہے خصوصاً امام سبکی نے توارشاد ربانی "واذا اخذ اللہ میثاق النبیین" کی تفسیر پر ایک جز اور مقالہ لکھا جس کا نام "التعظیم والمنہ فی تفسیر لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" رکھا اسی موقف کو تمام امت مسلمہ نے اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا جسے آپ ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات عالیہ سے واضح کیا مثلاً جب صحابہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال پوچھا:

متی کنت نبیاً؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟

تو فرمایا:

کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اسی طرح معنوی طور پر یہ بھی منقول ہے:

کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نبوت آپ ﷺ کو عالم ارواح میں بلا واسطہ جبرئیل عطا کی تھی اس کی وجہ سے آپ ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور آپ ﷺ وہاں ارواح انبیاء کی تربیت فرماتے رہے۔ تمام اہل علم کے ہاں یہ متفقہ اصول ہے کہ نبوت ایک ایسا منصب ہے کہ فائز ہونے کے بعد وہ ہستی کبھی معزول نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: **اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ**۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنا رسول کس کو بنانا ہے۔ (الانعام: ۱۲۵)

چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے لہذا وہ جانتا ہے کہ کسی کو معزول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے اعلان نبوت کے بعد جب بھی آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان عالم ارواح سے ہی فرمایا جو زیر بحث مسئلہ کو نہایت واضح اور آشکار کر دیتا ہے اگر آپ ﷺ کی نبوت میں انقطاع ہوتا تو اس موقع پر آپ ﷺ کا فریضہ تھا کہ صحابہ کو واضح فرمادیتے کہ عالم ارواح والی نبوت کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے اور پھر مجھے از سر نو نبی بنایا گیا ہے اور میں گذشتہ چالیس برس نبی نہیں تھا بلکہ ولی تھا جب آپ ﷺ اپنی نبوت کے سلسلے کو عالم ارواح سے بیان فرما رہے ہیں تو ہمیں بھی اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔

یہاں یہ بات آشکار دینی چاہئے کہ یہ کہنا کہ جیسے ہی نبوت ملی اس ہستی پر نبوت کے فرائض کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے محض سینہ زوری ہے اس بات کی کوئی علمی بنیاد نہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملنے کا ذکر قرآن میں صراحۃً موجود ہے مگر فرائض نبوت کی ادائیگی اس وقت لازم نہ تھی بعد میں کی گئی۔

امام فخر الدین رازی (ت: ۶۰۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال و جواب کی صورت میں لکھتے ہیں:

لو كان نبياً في ذلك الوقت لو جب ان يشتغل ببيان الاحكام وتعريف الشرائع ولو وقع ذلك لاشتهر ولنقل فحيث لم يحصل ذلك علمنا انه ما كان نبياً في ذلك الوقت۔ اگر آپ نبی ہوتے تو ضروری تھا کہ آپ احکام کے بیان اور شرائع کی تعلیم دیتے اگر ایسا ہوتا تو یہ مشہور و منقول ہوتا جبکہ ایسی کوئی بات نہیں تو ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ اس وقت نبی نہ تھے۔

اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

لم لا يجوز ان يقال مجرد بعثته اليهم من غير بيان شيء من شرائع والاحكام جائز ثم بعد البلوغ اخذ في شرح تلك الاحكام۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

ثبت بهذا انه لا امتناع في كونه نبياً في ذلك الوقت وقوله "ان نبي الكتاب" يدل على كونه نبياً في ذلك الوقت فوجب نبياً ذلك الوقت فوجب اجراؤه على ظاهره۔

(تفسير كبير، ۱۹۸: ۲۱)

یہ کہنا کیوں جائز نہیں کہ ان کی طرف ان کی بعثت بلا بیان احکام و شرائع جائز ہو پھر بلوغ کے بعد احکام بیان کیے ہوں۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت ان کے نبی ہونے میں کوئی استحالہ نہیں اور ارشاد گرامی "ان نبي الكتاب" اس وقت ان کے نبی ہونے کی نشاندہی کر رہا ہے لہذا اسے ظاہر پر ہی محمول کرنا لازم ہے۔

اسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کو جب کنویں میں پھینکا گیا اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ سال تھی تو محققین کی پوری جماعت کا موقف یہ ہے کہ انہیں اسی وقت نبوت عطا کی گئی۔ ارشاد الہی:

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لُتُبَيِّنَ لَهُمُ بآيَاتِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ اور ہم نے اُسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام بتا دے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔ (یوسف: ۱۵)

سے مراد وحی نبوت ہے۔ اس پر سوال ہوا کہ نبوت ملنے کے بعد تبلیغ کا معاملہ؟ اس کا یہی جواب دیا گیا کہ نبوت ملنے کا یہ معنی نہیں کہ اسی وقت فرائض عائد کر دیئے جائیں بلکہ نبوت عطا کرنے والی ذات جب چاہے ان کو فرائض نبوت کی ادائیگی کا حکم دے سکتی ہے۔

یہ سوال و جواب امام رازی کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

فان قيل كيف يجعله نبياً في ذلك الوقت وليس هناك احد يبلغه الرسالة؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو اس وقت نبی کیسے بنا دیا جبکہ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جسے وہ پیغام پہنچاتے؟

اس کا جواب یوں دیا:

لا يتنوع ان يشرفه بالوحي والتزويل وبامره بتبليغ الرسالة بعد اوقات ويكون فائدة تقديم الوحي تانيسه وتسكين نفسه وازالة الغم والوحشة عن قلبه.

اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ آپ کو وحی و تنزیل سے مشرف کر دیا جائے اور کچھ اوقات کے بعد پیغام پہنچانے کا حکم دیا جائے تقدیم وحی کا فائدہ اس سے اس تسکین نفس اور ان کے دل اقدس سے وحشت و غم کا ازالہ تھا۔

(تفسیر کبیر، جز ۱۸: ۴۲۸)

اہل علم نے نبی و رسول میں فرق کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ رسول کے لیے تبلیغ ضروری ہے جبکہ نبی کے لیے اسی وقت تبلیغ ضروری نہیں۔

آئیے چند تصریحات پڑھیے!

(۱) امام محمود آلوسی (ت: ۱۲۷۰) نبی و رسول میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانت تعلم ان المشهور ان النبي في عرف الشرع اعم من الرسول فانه من اوحى اليه سواء امر بتبليغ ام لا والرسول من اوحى اليه وامر بتبليغ.

تم جانتے ہو عرف شرع میں مشہور یہ ہے کہ نبی رسول سے عام ہے نبی وہ ہے جس پر وحی کی جائے خواہ اسے تبلیغ کا حکم ہو یا نہ ہو اور رسول کو وحی کے ساتھ تبلیغ کا حکم بھی دیا جاتا ہے۔

(دوع المعاني، ۱۷: ۲۲۴)

(۲) امام قاضی صدر الدین ابن ابی العز حنفی (ت: ۷۹۳) نبی و رسول میں فرق کرتے ہوئے اسے ہی احسن قرار دیا ہے:

وقد ذكروا فروقاً بين النبي والرسول واحسنها ان من نباه الله بخبر

اہل علم نے نبی و رسول کے درمیان متعدد فرق بیان کئے ہیں ان میں سے سب سے

السماء ان امره ان يبلغ غيره فهو نبى رسول وان لم يامر ان يبلغ غيره فهو نبى وليس برسول فالرسول اخص من النبي فكل رسول نبى وليس كل نبى رسولاً.

خوبصورت یہ ہے کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ سماوی وحی سے نوازتا ہے اگر اسے ساتھ یہ حکم بھی دے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے تو وہ نبی و رسول ہے اور اگر اسے یہ حکم نہ دے کہ دوسروں تک پہنچائے تو وہ نبی ہے اور رسول نہیں ہوگا تو رسول نبی سے خاص ہے تو ہر رسول نبی ہوگا لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

(شرح العقيدة الطحاوية: ۱۶۷)

(۳) علامہ شیخ محمد بن سفارینی (ت: ۱۱۸۸) نے اس فرق کو یوں واضح کیا ہے:

وهو انسان يوحى اليه بشرع وان لم يؤمر بتبليغه فان امر بتبليغه فهو رسول ايضاً على المشهور فبين النبي والرسول عموم وخصوص مطلق فكل رسول نبى وليس كل نبى رسولاً والرسول افضل من النبي اجماعاً لتمييزه بالرسالة التي هي افضل من النبوة على الاصح.

نبی وہ انسان ہے جس کی طرف شرع وحی کی جائے اگرچہ اسے تبلیغ کا حکم نہ ہو اگر اسے تبلیغ کا حکم بھی ہو تو وہ مشہور قول میں رسول ہے تو نبی و رسول کے درمیان عموم و خصوص مطلق ہے ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا تو رسول نبی سے افضل ہے کیونکہ اس میں رسالت کا بھی اجتماع ہے جو نبوت سے اصح قول پر افضل ہے۔

(لوامع الانوار البهية: ۵۰، ۴۹)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

والرسول انسان اوحى اليه بشرع وامر بتبليغه فان لم يؤمر بتبليغه فنبى فقط.

رسول وہ انسان ہے جس کی طرف شریعت وحی کی جائے اور اسے تبلیغ کا حکم دیا جائے اور اگر اسے تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو تو وہ فقط نبی ہوگا۔

(لوامع الانوار البهية: ۲۵۸)

(۴) حضرت ملا علی قاری حنفی (ت: ۱۰۱۳ھ) اس بارے میں رقمطراز ہیں:

ثم في تقديم النبوة على الرسالة
اشعار بما هو مطابق في الوجود من
عالم الشهود وايماء الى ما هو
الاشهر في الفرق بينهما من المنقول
بان النبي اعم من الرسول اذ
الرسول من امر بالتبليغ والنبي من
اوحى اليه اعم من ان يؤمر بالتبليغ
ام لا؟ قال القاضي عياض: والصحيح
الذي عليه الجمهور ان كل رسول
نبي ولا عكس وهو اقرب من نقل
غيره الاجماع عليه لنقل غير واحد
الخلاف فيه فقيل: النبي مختص بمن
لا يؤمر وقيل: هما مترادفان واختاره
ابن الهمام والظاهر انهما متغايران
لقوله تعالى: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ" (الحج: ٥٢)
ولبعض الاحاديث الواردة في عدد
الانبياء والرسل عليهم السلام.
(الروض الاذهر في شرح الفقه الاكبر: ١٧٩)

اہل علم نے اسی فرق کے بارے میں لکھا:

لعل هذا القول هو اسلم الاقوال
والبعدا من الاعتراضات التي ترد
على غيره.

نبوت کو رسالت پر مقدم رکھا یہ اس طرف
اشارہ ہے جو وجود میں عالم شہود کے مطابق
ہے اور یہ ان دونوں کے درمیان مشہور
فرق کی طرف ہی اشارہ ہے کہ نبی رسول
سے عام ہے کیونکہ رسول کو تبلیغ کا حکم دیا
جاتا ہے اور نبی پر وحی کی جاتی ہے خواہ
اسے تبلیغ کا حکم دیا جائے یا نہ دیا جائے
قاضی عیاض فرماتے ہیں صحیح یہی ہے کہ
اس پر جمهور ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر
اس کا برعکس نہیں اور یہی اس کے قریب
ہے۔ جس پر دیگر نے اجماع نقل کیا، کچھ
نے اختلاف کیا ہے کہ نبی جسے تبلیغ کا حکم نہ
ہو بعض نے کہا کہ یہ دونوں مترادف ہیں
اسے ابن الہمام نے اختیار کیا اظہر یہی
ہے کہ یہ دونوں آپس میں غیر ہیں کیونکہ
ارشاد الہی ہے: "اور ہم نے تم سے پہلے
جتنے نبی یا رسول بھیجے" اور کچھ احادیث
مبارکہ کبھی انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعداد
کے بارے میں مروی ہیں۔

یہی حقیقت رسول اللہ ﷺ کے معاملہ نبوت کی ہے۔ آپ عالم ارواح سے
نبوت کے منصب پر فائز ہیں اور آپ کی نبوت بلا واسطہ جبری ہے جو صرف سرور عالم ﷺ کا
خاصہ ہے اور چالیس سال بعد حضرت جبریل امین کے ذریعے سنت الہیہ کو پورا کرتے
ہوئے آپ ﷺ کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا کیونکہ ارشاد الہی ہے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى
نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ (النسد: ١٦٣)
ہم نے آپ پر وحی کی جیسے ہم نے نوح اور
ان کے بعد نبیوں پر کی۔

اگر اسے بعض اہل علم نے دوبارہ نبوت عطا کرنے سے تعبیر کیا ہے تو اس میں بھی
کوئی حرج نہیں کیونکہ دوبارہ دینے کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ وہ چیز پہلے ہی موجود تھی مثال کے
طور پر سورہ فاتحہ کا نزول آپ پر دو مرتبہ ہوا۔

رہی یہ بات کہ کیا اہل علم نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عالم ارواح کی نبوت میں
تسلسل ہے تو اس سے بڑھ کر گواہی کیا ہو سکتی ہے کہ جب یہ معاملہ اٹھا کہ وصال کے بعد
انبیاء کی نبوت و رسالت کا حکم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں جو اہل علم نے گفتگو کی ہے۔
اس میں دیگر دلائل کے علاوہ ان روایات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً:

ان نبينا ﷺ حتى في قبره رسول الله
ابداً لا يبداد على الحقيقة لا
المجاز وانہ كان نبيا و آدم بين
الماء والطين ولم تبرح نبوته
باقية ولا تنزل.
(طبقات الشافعية الكبرى: ١٣٢: ٤)

دوسری بات یہ ہے کہ اہل علم نے انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان
الفاظ کی تصریح کی ہے:

انه ﷺ وُلِدَ نبياً (سبل المدي: ١٣٠: ١)
آپ ﷺ پیدا ہی نہیں ہوئے۔
اس کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ کو بچپن میں اپنے نبی

ہونے کا علم و یقین تھا مثلاً امام حاکم، ابن حبان، ابونعیم، ابن عساکر اور ضیاء مقدسی نے "المختارۃ" میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ !

ما اول ما ابتدئت به من امر النبوة؟ آپ ﷺ کے معاملہ نبوت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ فرمایا:

انی لفی صحرا امشی ابن عشر میں دس سال کی عمر کا تھا تو میرے پاس دو حجج اذا انا برجلین۔ آدی آئے۔

(سبل الہدی، ۶۰۲)

پھر آپ نے شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔

امام داری، بزار، روایانی، ابن عساکر اور ضیاء مقدسی نے "المختارۃ" میں نقل کیا حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ !

کیف علمت انک نبی حتی علمت کیسے آپ کو علم ہوا کہ آپ نبی ہیں حتی کہ ذلک واستیقنت انک نبی؟ آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ نبی ہیں؟

(سبل الہدی، ۶۳۲)

تو آپ ﷺ نے اس پر شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔

اس کے بعد اگر کوئی کہتا ہے کہ آپ ﷺ بچپن میں نبی نہ تھے اور اپنی نبوت کا علم نہیں رکھتے تو اس کی بات کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ جب نبی ﷺ ان حقائق سے اپنی اُمت کو خود آگاہ کر رہے ہیں تو اُمت کو چاہیے کہ وہ آپ ﷺ کی مانے اور کسی کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہو۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
وَعَلَىٰ آلِكَ وَصَحْبِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

حسان العصر

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا نے جن لازوال علمی و فتنی کمالات باطنی و نظری خصوصیات اور علمی و ادبی خصائص سے نواز رکھا تھا ان میں سے ایک صفت خاص آپ کی منفرد نعت گوئی ہے۔ اگر ایسے اساتذہ فکر و فن کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے اس صدی میں ثنائے مصطفیٰ کا پرچم لہرانے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا تو ان میں یقیناً سرفہرست حضرت فاضل بریلوی کا اسم گرامی ہوگا کہ جن کی نعت گوئی کا اعتراف انہوں نے ہی نہیں بلکہ بیگانوں نے بھی کیا ہے۔ بلکہ ان تابعدار روزگار شاگردان کوچہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں سے بیشتر نے انہیں فن نعت کے حوالے سے امام سخن گویاں قرار دیا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی مائع نہ ہو سکی۔ بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ذہن و فکر کو آمادہ کرتا ہے تو احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے کلام بلاغت نظام سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔ جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کی صورت میں وجد آفریں سلام کی صدائیں ابھرتی ہیں تو جہاں اصحاب نظر کی پلکیں مشتق و عقیدت کے آنسوؤں سے نم آلود ہو جاتی ہیں وہاں تصورات کے نہاں خالوں میں نعت گو احمد رضا خاں کا جو روشن سراپا ابھرتا ہے وہ اس قدر سر بلند اور سرفراز ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور عصر حاضر کے نعت گو شعراء کا وجود اپنی تمام بلند قاستی کے باوجود اس کے سامنے مختصر محسوس ہوتا ہے۔

اس غیر معمولی مقبولیت، جبروت انگیز مہمیت، لافانی شہرت اور اُمت قدر و منزلت کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نعتیہ شاعری کے لیے قرآن حکیم سے اکتساب فیض کیا ہے۔ قرآن حکیم

بذات خود نعت مصطفیٰ کا سب سے اہم ماخذ ہے جس کے ہر سپارے سورت اور آیت سے صفت و ثنائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک پھوٹ رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فقط ایک شاعر ہی نہ تھے نامور عالم دین، یگانہ روزگار محدث اور بے مثل مفسر قرآن بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ذوق و شوق کی کیف آفریں وادیوں میں گم ہو کر جب قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تو انہیں نعت مصطفیٰ کی رفتیں اپنے قلب و جان کا احاطہ کرتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے آگے بڑھے تو شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خضر راہ بن گئی اور وقت کا یہ عظیم ترین فقیہ نعت کی گھرنگ وادیوں میں سفر کرتے ہوئے بے اختیار عظمت کلام خداوندی اور شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پکار اٹھا۔

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو ہاں شرح کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو مولے کی ثنا میں حکم مولے کا خلاف لو زینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو احمد رضا خاں چونکہ بہت بڑے عالم دین اور علوم شریعت سے غیر معمولی آگاہی رکھنے والے نعت گو شاعر تھے۔ اس لیے انہوں نے نعت کے حقیقی مقام کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں آپ نے نعت کی جو تعریف کی ہے وہ اصحاب ذوق کے لیے شیعہ ہدایت ہے۔

”حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں نکواری و حار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔“

رضا بریلوی نے نعت کی شرعی حدود و قیود کا پورا پورا پاس کیا ہے۔ ان کا راہوار قلم جب عشق و عقیدت کی جولاں گاہ میں محو سفر ہوتا ہے تو ہر گام پر دلوں کے ترپنے، جذیوں کے مچلنے، تمنائوں کے خنپے چکنے کی صدائیں ابھرتی ہیں مگر حضرت رضا بریلوی نے عشق و عقیدت کی انتہائی سر بلند یوں پر پہنچ کر بھی آداب شریعت اور ادب کے ساتھ احتیاط کو مد نظر رکھا ہے۔ کئی بلند پایہ

نعت گو شاعر افراط و تفریط کے معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قرآن حکیم سنت مصطفیٰ اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خضر راہ بنا کر جب نعت کہی تو ایوان نعت جگمگا اٹھا۔ امام احمد رضا کی نعت عشق و عقیدت کی حسین داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک لفظ ذوق و شوق کی کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایات مصطفوی کا حق وار ٹھہراتا ہے۔ نعت میں عشق و عقیدت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پھول میں خوشبو کو حاصل ہے۔ خوشبو پھول کے باطنی حسن کو اجاگر کرتی اور اس کی حقیقی پہچان بن جاتی ہے۔ احمد رضا بریلوی بہت بڑے عاشق رسول تھے۔ یہی عشق ان کا سرمایہ حیات اور یہی ہمیشہ ادب و احترام ان کا اثاثہ عمل اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعہ نجات تھا۔ احمد رضا خاں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہارات کس طور سمجھتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے اللہ کی سرتاب قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ الہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کنو اب بصارت کا

مضمون آفرینی کو شاعری کی جان کہا جاتا ہے۔ شاعر جتنا بلند مضمون ہاندھے گا اس کا کلام اتنا ہی زیادہ قبولیت عام اور فکری و فنی شوکت کا مقام حاصل کرے گا۔ اعلیٰ حضرت نے نعت مصطفیٰ کو فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس کو چہ ارادت و عقیدت میں معمولی سی ٹھوکر بھی انہیں بلند مقام سے نیچے گرا سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا بلکہ دوسرے شعراء کی بھی رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جس کا مطلع یہ تھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے اعلیٰ حضرت نے سن کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسرا مصرعہ مقام نبوت کے لائق نہیں ہے۔

آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی ۔

کب ہیں درختِ حضرت والا کے سامنے قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے
اعلیٰ حضرت کی اس اصلاح سے اطہر ہاپڑی کی مضمون آفرینی اور رفعتِ تخیل کو چار چاند لگ
گئے۔ اب ہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام سے مضمون آفرینی، رفعتِ تخیل اور شوکتِ فکر کی چند
مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بلحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
میں تو مالک ہی کہیں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا
مالک کوئن ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں وہ جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خلا ہاتھ میں
مرے کریم گنہ زہر سہی لیکن کوئی تو شہد شفاف چشیدہ ہونا تھا
پریشانی میں نام ان کا مل صد چاک سے نکلا اہلبیت شانہ کرنے آئی گیسوئے توسل کا
حضرت احمد رضا خاں مفت و ثنائے حضور میں اس درجہ محو ہوئے کہ تمام زیستِ نعت کے
علاوہ کسی اور طرزِ سخن کی جانب توجہ نہ کی۔ حضور آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سلطان
اقالیم دو عالم ہیں۔ افتخارِ آدم و بنی آدم ہیں۔ رحمتِ پناہ عاصیاں اور چارہ بے چارگاں ہیں۔ آپ
کا دربار وہ دربارِ معلیٰ ہے جہاں سے گداؤں کو شہنشاہی اور یورپا نشینوں کو عشق و عقیدت کے نام
پر کجکلا ہی عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کون چاہے گا کہ ایک بار اس دربارِ معلیٰ سے نسبت حاصل
کر کے کسی اور دروازے کی طرف دیکھے یا اپنے دور کے کسی سلطان یا امیر کا قصیدہ کہے۔ شاہ
احمد رضا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت پر اس قدر ناز تھا کہ اس کا اظہار ان کے کلام
میں جا بجا ملتا ہے۔

کروں مدح اہل دل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرادیں پارہ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نعت کو ان بلند یوں پر پہنچا دیا کہ زمانے کو ان کی عظمت تسلیم
کرتے ہی بنی۔ نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ افتخار ہے کہ نعت گو شاعر بے اختیار اس کے

احساس سے اپنے جذبات کو وجد میں لے آتا ہے۔ اس لیے شاہ احمد رضا خاں فرماتے ہیں
ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں
یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جنات کہ رضا کی طرح کوئی سحر میں
نہیں ہند میں دھنسا شہِ ہندی مجھے شوقِ طبعِ رضا کی قسم
گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں دہشتاں ہے

حضور سرور کائنات، فخر موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں
قدرت نے ازل سے ابد تک کے تمام محامد و محاسن جمع کر دیئے ہیں۔ آپ کے ظاہری و باطنی
فضائل عقل و خرد سے ماورائی اور آپ کے کمالات ذہنِ انسانی سے کہیں بلند ہیں۔ شاعر کی فکر کتر
کمالاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کرنے کے لیے آگے بڑھتی ہے مگر بے بس و ناتواں ہو کر
اپنی معذوری و مجبوری کا اعتراف کرنے لگتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے قلم حقیقت رقم نے حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ظاہری اور باطنی تجلیات کو جی بھر کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔
ان کا یہ خراجِ عقیدت اشعار کا ایک ایسا گلدھہ ہے جس کا ہر پھول سدا بہار اور ہر غنچہ محبت رسول
سے مشکبار ہے۔ آپ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن صورت کو اس شان سے
اپنی شاعری کا اعزاز بنایا ہے کہ افقِ شاعری پر عظمت و شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نجومِ تاباں
ہر لحظہ نئی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوئے اور اصحابِ نظر کے انکار کو مستعیر کرتے نظر آتے ہیں۔
حسن و جمالِ مصطفیٰ کے حوالے سے ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حسنِ یوسف پہ کشیں مصر میں انگشتِ زناں سر کٹاتے ہیں حیرے نام پہ مردانِ عرب
یہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

یہی پھولِ خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سر تابندہ ہے تن سلطانِ زمین پھول لب پھول دہن پھول زقن پھول بدن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پینہ مانگے کبھی عطر نہ پھر چاہے دہن پھول

ہے کلام الہی میں شمس و صبحی ترے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں رازیہ تھا کہ حبیب کی زلفِ بختا کی قسم

خامہ قدرت کا حسن دستکاری واہ واہ کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی اتاری واہ واہ
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ اٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ واہ
جب اعلیٰ حضرت بریلوی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن باطنی اور جمال
سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا انداز بیان دیدنی ہوتا ہے۔ ان کی نگاہوں میں حضور نبی
کریم کے تمام خصائص و کمالات گھونٹنے لگتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ کردار
”رفعتہ“ گفتار“ بے پایاں رحمۃ للعالمین، میدانِ محشر میں آپ کی شفیع المذنبین، گنہگار امت کے
لیے حضور کی گریہ و زاری، خطا کاروں کی بخشش کے لیے رحمتِ شکاری، جود و کرم کی فراوانی، لطف
و عنایات کی فراوانی، اخلاقِ عالیہ کی رفعت، سیرت و کردار کی عظمت، خدا کی اپنے محبوب پر بے
پایاں عنایت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لیے ہر آن امنڈتا ہوا بحرِ شفاعت، یہ
سب خصائص جب احمد رضا خاں کے قلم میں سمائے ہیں تو ان کی خامہ غیر نقشاں کوئی تو انائی اور
ان کے ذوقِ مدحت کو حیرت انگیز گہرائی و گیرائی عطا ہوتی ہے۔ آپ کے کلام سے چند اشعار
نذر قارئین۔

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا حیرا
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفیٰ ﷺ نے دریا بہا دیئے ہیں

جس کی دو ہونڈیں کوڑ و سلسیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی
جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ سمیا ہمارا نبی

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
آنکھ کھولو غمزدو دیکھو وہ گریاں آئے ہیں
لوبح دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے

شاہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کا وہ حصہ دلوں کو بے اختیار گداز آشنا کرتا ہے جب آپ
حرمین شریفین کی جانب سفر کی تیاری کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو دیکھنے کی تمنا ہر صاحب
ایمان کے دل میں مچلتی ہے اور پھر جب وہ شخصیت اس مبارک سفر پر روانہ ہو رہی ہو جس نے عمر
بھر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا ہو، توحیدِ خداوندی کے آداب سکھائے ہوں، احترام و
عقیدتِ رسول کی چمک عطا کی ہو۔ دلوں میں شمعِ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلا کر اجالا کیا ہو۔
جس کی اپنی زندگی عشقِ مصطفوی کی تصویر اور محبتِ رسول کی عملی تفسیر ہو جس کے شب و روز بیت
اللہ کے طواف اور حرمِ نبوی کی زیارت کے تصور میں گزرتے ہوں تو پھر اس پر کیفِ سامانی کا
سحاب کس شان سے پر تو لگن ہوگا۔ اس کا تذکرہ بہارِ آفریں بھی ہے اور روحانی لطف و سرور کا
باعث بھی۔ آئیے ہم بھی احمد رضا خاں کی اس کیفِ سامانی سے چند اشعار کا معنوی حسن مستعار
لے کر دلوں کو شاد کام کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ہکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر ثارِ جان فلاح و ظفر کی ہے
اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے اصل مرادِ حاضری اس پاک در کی ہے
جب آپ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں۔ تو ان کی

کیفیت دیدنی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ کا تصور ان سے کس طور خراج عقیدت حاصل کرتا ہے۔ اس کی جھلک ملاحظہ ہو۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھ مدینہ منورہ کے بارے میں احترام و عقیدت کا کس شان سے اظہار کرتے ہیں انداز دیکھیے: مدینے کے خطے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلتا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے اور پھر مدینہ منورہ کی گلیوں میں اس عاشق رسول کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ آنکھیں کس طرح آنکھوں کی لڑیاں پروتی ہیں؟ انہیں یہاں ہر کام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف آپ کی بے قراری ہے اور دوسری طرف آقا و مولا کی نوازشوں کا احساس۔ اسی احساس سے سرشار ہو کر مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں کا طواف کرتے ہیں۔ گنبد خضریٰ کی زیارت کرتے کرتے جی نہیں بھرتا دل ملکین گنبد خضریٰ کی زیارت کے لیے چلتا ہے۔ یہی بے قراری رنگ لائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنایات بے کراں سے نوازے گئے۔ اس کیفیت کا اظہاریوں کیا کرتے ہیں:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں دھبہ طیبہ کے خار پھرتے ہیں شاہ احمد رضا خاں کا نعتیہ مجموعہ ”حدائق بخشش“ ہے جس کا اولین سال اشاعت 1325ھ ہے۔ رضا بریلوی کے نعتیہ کلام کا ایک دلاویز اور خوبصورت حصہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدہ نور قصیدہ معراجیہ اور آپ کا طویل سلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قصیدہ نور میں بطور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اقدس کے حوالے سے آپ کے صفات عالیہ کو موضوع شاعری بنایا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اس قدر جامع اور اثر آفریں ہے کہ بے شمار عشاق مصطفیٰ

اسے وظیفہ عقیدت جان کر پڑھتے ہیں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹنا ہے ہاڑا نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا سر جھکاتے ہیں الٹی بول ہالا نور کا تیری نسل پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا قصیدہ معراجیہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت و فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بذات خود فکر و فن کا شہکار اور کاروان مدحت و نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا یہ قصیدہ تشبیہات استعارات اور برجستہ تراکیب کے حوالے سے اردو ادب کے لیے سرمایہ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جودت و جدت طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہمعصر مشہور نعت گو شاعر حسن کا کوردی نے انہی دنوں معراج پر قصیدہ مست کاشی سے چلا جانب متحر اہا دل لکھا تھا۔

حسن کا کوردی اپنا قصیدہ سنانے کے لیے بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ حسن کا کوردی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے۔ عصر کی نماز سے قبل مولانا نے خود یہ قصیدہ معراجیہ تصنیف فرمایا۔ نماز عصر کے بعد جب یہ دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے تو مولانا نے حسن کا کوردی سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سن لو۔ حسن کا کوردی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ اس عالمانہ و عارفانہ نکات کے حامل اور شاعرانہ کمالات سے لبریز قصیدے کے چند اشعار سے قارئین بھی اپنے گلشن ایمان کو بہار و درکنار کر لیں۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نزلے طرب کے سماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر سے مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

قیام پاکستان سے چند سال پہلے لاہور سیاسی معرکوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ تحریک آزادی کے مقتدر سیاسی لیڈر ہندوستان کے مختلف شہروں سے آتے اور لاہور کے پبلک پلیٹ فارم پر اپنی خطابت اور بیان کے جوہر دکھاتے۔ کانگریسی لیڈران موری دروازے کے باہر باغ میں جلسے کرتے۔ جمعیت العلماء ہند کے نیشنلسٹ علماء گاندھی اور نہرو کی قیادت میں کانگریس کی بی ٹیم کے طور پر سٹیج پر آتے۔ دہلی دروازے کے باغ میں مجلس احرار اسلام کے شعلہ بیان مقرر گر جتے، اور موچی دروازے کے باغ میں مسلم لیگی لیڈرز مطالبہ پاکستان پر بھرپور تقریریں کرتے۔ مسلم لیگ کا یہ نعرہ عوام کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتا کہ ۔

مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

دہلی کے باغ میں مجلس اسلام کے شعلہ بیان مقرر
گر جتے اور مطالبہ پاکستان پر بھرپور تقریریں کرتے

مجلس احرار اسلام کے مقررین سٹیج کے بادشاہ تھے۔ نیشنلسٹ علماء دیوبند سے دستار فضیلت لے کر کانگریس کی ہموائی کرتے تھے۔ خاکساران وطن اپنی عسکری قوت کو بیچنے سے چمکاتے مگر لوہاری دروازہ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد جس کے سامنے ایک وسیع باغ تھا۔ کی سٹیج پر مولانا محمد بخش مسلم تحریک پاکستان کے حق میں نہایت شیریں بیانی سے مخاطبین کو گرماتے۔ مولانا مرحوم اس وقت کے نیشنلسٹ علماء کی روایت سے ہٹ کر اپنی تقریر میں انگریزی جملے اس روانی سے ادا کرتے کہ پڑھی لکھی دنیا کا قافلہ اُن کی مسجد کے سامنے رُک جاتا۔ آپ نوجوانوں کے جذبات کو نور بخشتے، اور پاکستان کے قیام کے حامیوں کو تازہ جذبہ دیتے۔ وہ آزادی وطن کیلئے بڑے مؤثر انداز سے تقریر کرتے تو مخالفت کی آندھیوں کی رفتار تھم جاتی۔ مجھے مسلم مسجد کے ایک اجتماع میں نومبر 1946ء میں پہلی بار حاضر ہونے کا موقع ملا اور مولانا مسلم مسجد کی تقریر سے محفوظ ہوا۔ آپ اپنے سامعین کو آزادی وطن کی اہمیت بتا رہے تھے، اور انہیں تحریک پاکستان کے کاروان میں شرکت پر زور دیتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے ۔

تحریک پاکستان کا ایک کردار

مولانا محمد بخش مسلم بی۔ اے رحمۃ اللہ علیہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے علماء اہلسنت و جماعت کے اس خانوادہ علم و فضل سے تعلق رکھتے تھے جو برصغیر کی دینی اور سیاسی قیادت کا علمبردار تھا۔ آپ نے اپنی سو سالہ زندگی علمی اور دینی ماحول میں گزاری۔ معلم رہے، صحافت میں حصہ لیا، خطیب بن کر چمکے، مقرر بن کر نام پیدا کیا، اور اپنی شیریں بیانی اور خطابت سے عظیم الشان مذہبی اور سیاسی جلسوں میں ممتاز مقام کے مالک بنے۔ برصغیر پاک و ہند کا شاید ہی کوئی شہر یا قصبہ ایسا ہو جہاں مولانا مسلم مرحوم نے اپنی خطابت کے جواہرات سے سامعین کی جھولیاں نہ بھری ہوں۔ خیبر سے جنوبی ہند تک آپ کی شہرت کے جھنڈے لہراتے نظر آئے اور آپ نے اسلام کی حقانیت کو اردو، انگریزی اور پنجابی میں لوگوں تک پہنچایا۔

تحریک پاکستان کے دوران مجھے آپ سے نیاز مندی حاصل ہوئی۔ ان کی تقریریں سننے کا موقع ملا۔ خطابت کے شہ پاروں سے ذہن و قلب کو فروزاں کیا۔ پھر قیام پاکستان کے بعد آپ کی علمی اور نجی مجالس میں بیٹھنے کا بھرپور موقع ملا۔ آپ کی تقریروں کا سامع رہا۔ آپ کی خطابت سے محفوظ ہوتا رہا۔ آپ کی تحریروں کا قاری بنا۔ آپ کی سیاسی ذہانت کا معترف ہوا۔ پھر آپ کی خصوصی مجالس کا جلسہ رہا۔ یوں مجھے مسلم صاحب کی علمی زندگی کے شب و روز دیکھنے کا جو موقع ملا آج ایک عرصہ کے بعد انہی کی یادوں کو تازہ کر رہا ہوں ۔

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

شب بھراں کے جاگنے والو!
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی!

وہ پاکستان کے مخالفین کو لکارتے، اور کہتے کہ دیکھو! ”وہ آزادی کی صبح اپنی نورانی ضیاؤں کے ساتھ نمودار ہو رہی ہے۔ آگے بڑھو اور اس کا استقبال کرو۔ آزادی کی روشنی سے اپنے چہرے روشن کرو، غلامی کی تاریک رات تو ختم ہونے ہی والی ہے۔ تمہاری مخالفت کے باوجود پاکستان بن کر رہے گا۔“

مسجد کے محراب و منبر سے اٹھنے والی یہ اتنی پُر زور اور موثر آواز تھی جس نے مجھے آپ کی مجالس میں حاضر ہونے پر مجبور کر دیا۔ مسلم صاحب تقریر کرتے۔ آزادی وطن پر اظہار خیال کرتے۔ قائد اعظم کی شخصیت کو اُجاگر کرتے۔ قیام پاکستان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی جداگانہ راہوں کی نشان دہی کرتے پھر گفتہ انگریزی میں مغربی مفکرین کے جملوں سے اپنی تقریر کو دلنشین بنا لیتے تو لوگ عیش عیش کر اٹھتے۔ آپ کا انداز بیان ہمہ پہلو دار کرتا۔ علماء کے لیے آیات قرآنی سے دلائل لاتے انگریزی خوان طبقہ کو قائد اعظم کے بیانات کے اقتباسات سے متاثر کرتے۔ اہل علم کو اساتذہ خن کے اشعار سے مسحور کرتے۔ عوام الناس کو پنجابی کے مقولوں سے لوٹتے اور نوجوانوں کو دلچسپ جملوں کی یلغار سے تڑپا دیتے!

نگاہ کے تیر سے گر بیج گیا شکار کوئی

تو بڑھ کے زلف نے اُس کو اسیر دام کیا

پاکستان بن گیا، ہند سکے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آزادی کے قافلے رواں ہوئے۔ مہاجرین کے قافلوں کے قافلے کٹتے گئے۔ گھروں کے گھر لٹتے گئے۔ محلوں کے محل جلتے گئے۔ مگر آزادی کے متوالوں کے قدم کسی منزل پہ نہ رُکے۔ وہ آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ پاکستان بن گیا۔ اُس کی سرحدیں دیواریں بن کر اہل ایمان کا قلعہ بنتی گئیں۔ اس ملک میں اپنے بیگانے، حامی و مخالف، پاکستان کے نام پر قربان ہونے والے۔ حتیٰ کہ پاکستان پر لعنت بھیجنے والے سب کے سب دامن پاکستان میں سمیٹے گئے۔

علماء اہلسنت اور مشائخ کرام کی ایک کثیر تعداد تحریک پاکستان کے لئے کام کر چکی تھی۔ اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دے چکی تھی۔ سب کچھ لٹا چکی تھی، یہ حضرات آگے بڑھے۔ ان میں مسلم صاحب کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ مولانا سید محمد ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالحمید بدایونی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا احمد سعید کاکھی، مولانا غلام دین انجن شید لاہور، مولانا اکرام حسین مجددی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، میاں غلام قادر شازد لیہارٹریز، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ علی پوری، پیر آف زکوڑی شریف، پیر آف مانگی شریف کے نام آفتاب بن کر چمکتے رہے، یہ وہ لوگ تھے۔ جو غلامی کے اندھیروں سے ملت اسلامیہ کو نکال کر آزادی کی روشنیوں میں لے آئے تھے، اور قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں کام کرتے رہے تھے۔

مجھے مسلم مسجد کے ایک اجتماع میں نومبر 1946ء میں پہلی بار حاضر ہونے کا موقع ملا اور مولانا مسلم علیہ السلام کی تقریر سے محفوظ ہوا

نوجوان علماء میں سے مولانا عبدالستار خان نیازی، سید محمود شاہ گجراتی، مولانا سلیم اللہ خاں، مولانا سید ظہیل احمد قادری، مولانا سید محمود احمد رضوی، مفتی محمد حسین نعیمی ایک گروپ کی شکل میں جمع ہو کر پاکستان میں نفاذ اسلام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ مولانا مسلم علمائے اہلسنت کی اس مجلس (جسے بعد میں جمعیت العلماء پاکستان کا نام دیا گیا) کے سیاسی مشیر تھے، اور حکومت کے ہاں جس قدر مطالبات، روئیداد، تحریکات یا تجویزات پیش کرنا ہوتیں آپ ہی تیار کرتے۔ آپ کی یہ تحریریں انگریزی اُردو میں یکساں ہوتی تھیں۔ مجھے ان دنوں ان حضرات کی حاشیہ نشینی کا شرف حاصل تھا، اور مسلم صاحب کی رفتار قلم کی آواز سننے کا موقع ملا۔ مولانا مسلم صاحب کے قلم کی کاوش تھی جس نے علماء کی زبان بن کر حکومت کو ”قرار داد پاکستان“ منظور کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ مولانا مسلم ان دنوں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، وزیر اعلیٰ پنجاب کے دست راست تھے۔ جب وزیر اعظم لیاقت علی خاں لاہور آتے آپ کے ساتھ رہتے۔

1953ء میں پہلی بار تحریک ختم نبوت چلی، اس میں نظریہ پاکستان کے مخالفین،

مجلس احرار اسلام، جمعیت العلماء اسلام اور متعدد دیوبندی علماء بھی علماء اہلسنت کے اس مؤثر و فعال گروپ سے آئے جو ملک میں آئین اسلام کے نفاذ کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ مولانا مسلم مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں اپنی سرکاری ملازمت کی بنا پر صف اول میں کھڑے ہونے کی بجائے قلمی کام کر کے تحریک کو قوت بخشی۔ اس خدمت کی شہادت میز انکواری رپورٹ کے صفحات پیش کرتے ہیں۔ اس میں مسلم مرحوم کے بیانات کے اقتباسات اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے تحریک ختم نبوت کی افادیت پر اپنے اخبار ”بصیرت“ میں پُر زور ادارے لکھے۔ دوسرے اخبارات میں زبردست مقالات لکھے اور پھر عوام کی راہنمائی کے لیے کئی پمفلٹ لکھ کر شائع کرائے۔

سیاسی میدان سے ہٹ کر مولانا مسلم مرحوم نے وقت کے جلیل القدر اساتذہ کے دسترخوانِ علم و فضل سے دامن بھرا تھا۔ مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا اصغر علی روجی، مولانا معوان حسین مجددی، مولانا غلام اللہ قصوری، مولانا غلام مرشد اور دارالعلوم نعمانیہ کے دوسرے اساتذہ کی علمی مجالس سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ آپ قدیم اساتذہ کے علاوہ مولانا غلام مرشد کی تحقیقات اور تحقیحات سے بے حد متاثر تھے۔ وہ اپنی گفتگو میں اکثر ان نکات کو بیان فرماتے جو مولانا غلام مرشد کے درس سے اخذ کرتے۔ وہ دقیق گفتگو کرتے وقت مولانا کے تحقیقی حوالے بیان فرماتے، اور یوں اپنے بیان کو اساتذہ کے رنگ میں رنگ کر سامعین کے دلوں کو روشن کرتے جاتے۔

مولانا ذوقِ مطالعہ کے قلیل تھے۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک مطالعہ کی دولت سے دست کش نہیں ہوئے۔ ان کے اعصاب اور نگاہ نے مطالعہ کتب کے سامنے کبھی شکست نہیں مانی۔ اخبارات، رسائل، پمفلٹ، کتابیں، قدیم ادب اور جدید موضوعات آپ کے زیرِ نظر رہے، اور فرمایا کرتے ”عمنی فی اللوح المحفوظ العصر“ میری آنکھ اپنے وقت کے علمی خزانوں پر لگی رہتی ہے۔ وقت کے کسی موضوع پر گفتگو ہوتی تو مسلم صاحب اس پر پوری واقفیت کے ساتھ اظہار خیال کرتے، اور ان تحریروں کے حسن و قبح پر مضبوط گرفت رکھتے تھے۔ پاک و ہند سے شائع ہونے والے اکثر انگریزی اور اردو اخبارات آپ کے سامنے ہوتے،

اور مشاہیر وقت کی کتابیں آپ کے مطالعہ کی زینت بنتیں۔

1966ء کے بعد ایک ایسا دور آیا، کہ مولانا مسلم صاحب مرحوم نماز جمعہ کے بعد فارغ ہوتے اور اپنی مسجد کے نیچے چند ادبی اور علمی احباب سے مجلس ہوتی۔ اس مجلس میں وقت کے شعراء، ادباء، علماء اور سخن شناس حضرات جمع ہوتے۔ اس مجلس میں مسلم مرحوم کی سخن شناسی شنیدنی اور حاضر جوابی دیدنی ہوتی۔ آپ کے لطیف جملے، بر محل مصرعے، موزوں اشعار اہل سخن سے داد تحسین حاصل کرتے۔ جناب احسان دانش، غلام رسول مہر، شورش کاشمیری، بشیر حسین ناظم، نازش رضوی اور صوفی تبسم جیسے قادر الکلام شعرا کو مسلم صاحب کے گھٹنے چومنے دیکھا۔ یہ حضرات مولانا علم و دانش حضرت مسلم کی بذلہ نجی اور سخن شناسی کے قائل تھے۔

آپ نے تحریک ختم نبوت کی افادیت پر اپنے اخبار بصیرت میں پُر زور ادارے لکھے؟ دوسرے اخبارات میں زبردست مقالات لکھے

دینی جلسوں اور اسلامی اجتماعات میں مسلم مرحوم کے ساتھ علماء اہلسنت کا ایک بلند پایہ گروپ تھا۔ جو اپنے خطابات سے عوام الناس کو دینی قیادت دیتا۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام دین، صاحبزادہ سید فیض الحسن، مولانا محمد شریف نوری اور محمد اعظم چشتی مسلم صاحب کے ساتھ ہوتے۔ ملک بھر کے جلسوں میں تقریریں کرتے۔ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں خطاب فرماتے، اور ہر مقرر اپنا اپنا انداز بیان لے کر سامنے آتا۔ تو سامعین کے دامن علم و فضل سے مالا مال ہو جاتے۔ یہ حضرات بزرگانِ دین کے عرسوں کی مجالس، دینی مدارس کے تقسیم اسناد کے جلسوں، عید میلاد النبی کے اجتماعات پھر عام جلسوں میں کھڑے ہوتے تو سامعین مسحور ہو کر رہ جاتے۔ ہر خطیب اپنا اپنا رنگ لے کر سامنے آتا مگر حضرت مولانا مسلم کا رنگ جداگانہ ہوتا، اور سب پر غالب ہوتا!

خوہاں شکستہ رنگ نخل ایستادہ اند
در محفلے کہ تو بمقابل نشسته!

مجھے حضرت مولانا مسلم کی سحر بیانی کا اس وقت قائل ہونا پڑا جب ایک بار قصور شہر کے ایک جلسہ عام میں مجھے سٹیج سیکرٹری بنایا گیا۔ یہ جلسہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شریقی کی صدارت میں تھا۔ اہل قصور کی بڑی تعداد موجود تھی۔ مقررین کا تقاضا تھا، کہ حضرت مولانا مسلم صاحب کو سب سے آخر پر موقع دیا جائے۔ چنانچہ نو گفتار مقررین تقریریں کرتے رہے۔ مسلم صاحب بیٹھے رہے۔ رات کے دو بج گئے۔ حاضرین کی تعداد کم ہو گئی۔ کئی لوگ اونگھنے لگے۔ کئی سو گئے۔ کئی جلسہ گاہ چھوڑ کر چلے گئے۔ میں نے حضرت مولانا مسلم کے نام کا اعلان کیا۔ آپ اٹھے اپنی مترنم آواز سے خطبہ پڑھا اور چند اشعار اٹھائے۔ دیکھتے دیکھتے اونگھنے والے تازہ دم ہو گئے۔ سونے والے جاگ اٹھے۔ جانے والے پلٹ آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جلسہ گاہ سامعین سے بھر گیا۔ پھر مسلم صاحب تھے ان کا خطاب تھا سامعین تھے، اور رات کا شباب تھا۔ آپ کا بیٹھا بیان تھا، اور شیریں کلام تھا۔

شب ہجران کے جاگنے والو

کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

حضرت مسلم صاحب مجلس میں بات کرتے تو مخاطب کی ذہنی سطح پر اثر کر بات کرتے۔ علم کا رعب، معلومات کا بوجھ، فقیہ شہر کی مشکل گوئی، امانت و خطابت کا تکبر نزدیک نہ آتا۔ مخاطب عالم ہوتا تو آپ اس سے عالمانہ اور منطقیانہ گفتگو کرتے۔ انگریزی خواں ہوتا تو انگریزی جملے بولتے، طالب علم ہوتا، تو آسان مطالب بیان کرتے، بچہ ہوتا تو لطیفہ گوئی سے بات سمجھاتے، اور اگر کوئی دیہاتی اُن پڑھ ہوتا تو پنجابی میں بات کرتے، اور سیف الملوک اور ہیر وارث شاہ کے اشعار سننے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ وہ ”گلموا الناس علی قدرد عقولہم“ کی عملی تصویر بن جاتے۔ آپ کی گفتگو سے ہر سطح کا آدمی یکساں لطف اندوز ہوتا۔ وہ اپنے نجی سامعین کو گھنٹوں محو سماعت رکھتے۔ جو شخص چند لمحے آپ کے پاس بیٹھ جاتا وہ دامن دماغ اور خانہ دل کو بھر کر لے جاتا۔ ان کے ہاں رجز تھا، انکسار تھا، ملائیت تھی، حلاوت تھی، کوشش کرتے کہ مخاطب خالی نہ جائے۔

حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے فقیری سے ایوان شاعری تک

پہنچے۔ تلاش علم میں نکلے تو مجالس علماء میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ قلم اٹھایا تو صاحب تصانیف بنے۔ محراب و منبر پر آئے مشقِ سخن کی تو خطابت کی بلندیوں تک پہنچے۔ میں نے وقت کے وزراء کو ان سے مشورے کرتے دیکھا۔ میں نے فقہاء کو فقہی مسائل پر رائے لیتے سنا۔ میں نے سیاست دانوں کو ان کی خدمت میں کھڑے دیکھا۔ میں نے مخد انوں کو ان کی سخن سرائی پر داد دیتے دیکھا۔ وہ طالب علم تھے۔ معلم بن گئے وہ عامی تھے خاص شخصیت کے مالک بن گئے۔ وہ لاہور کے ایک تنگ و تاریک محلہ سے نکلے۔ مسلم مسجد کے بانی اور خلیفہ بنے، اور مخلوق ان کے قدم چومتی اور اپنی شبانہ روز محنت اور نیک اطواری سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچے۔ انہیں دیکھ کر کہنا پڑتا ہے!

دینی جلسوں اور اسلامی اجتماعات میں مولانا مسلم مرحوم
کے ساتھ علماء اہلسنت کا ایک بلند پایہ گروپ تھا

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

وہ روحانی طور پر شیر رہانی میاں شیر محمد شریقیؒ کے مرید تھے، اور ان کی کرامات سے رطب اللسان رہتے۔ وہ سیاست دانوں میں، قائد اعظم محمد علی جناح کو اپنا قائد مانتے اور ان کی قیادت کو مشعل راہ بناتے۔ وہ پاکستان کی سر زمین کو قبلہ و کعبہ تصور کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ آنے دیتے۔ اس طرح وہ کرامات میاں شیر محمد کی بیان کرتے۔ تعریف حضرت قائد اعظم کی کرتے۔ استحکام پاکستان کا چاہتے، اور تقریر عظمت اسلام پر کرتے۔ ان کے نزدیک باقی موضوعات ضمنی تھے، اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے تھے۔

انہیں علماء سے محبت تھی۔ مشائخ سے عقیدت تھی۔ طلباء پر شفقت تھی۔ عوام سے یگانگت تھی۔ باین منصب و بلندی مجھ جیسے غریب الایاد اور فقیر الطبع درویش کو نوازتے۔ گھنٹوں پاس بیٹھتے، میری کج زبانی سنتے۔ علمی راہنمائی کرتے اور دعا سے سرور بنا دیتے۔ وہ اہل علم


حضرت مسلم صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کی قبر کو نور سے بھر دے (نور اللہ مرقدہ) ان کی خاک پاک پر رحمت کی بارشیں برسائے (تاب ثراہ) ان کی یادیں ہمارے دلوں کی غذا بنیں۔ ان کی باتیں ہماری روحانی تسکین رہیں۔ ان کو روج ہماری مجالس کی جان رہے۔ وہ ہم سے جدا ہو گئے مگر ان کا مدفن ہمارے دل پر درد میں ہے۔

اے ہم نفسانِ محفل ما
رہید وے نہ از دل ما



اہل مہم ماحول میں تعلیم و تربیت کا ایک منفرد نیٹ ورک

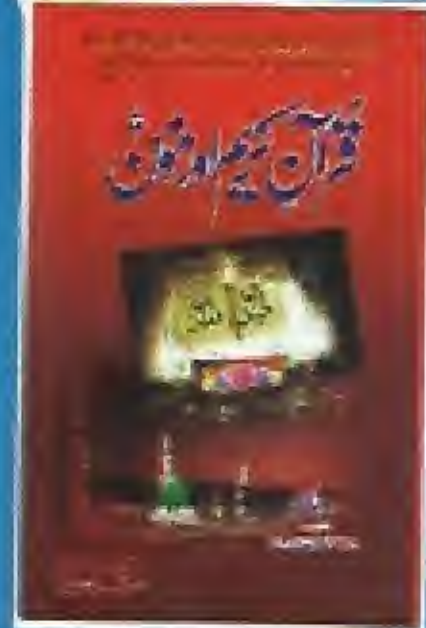
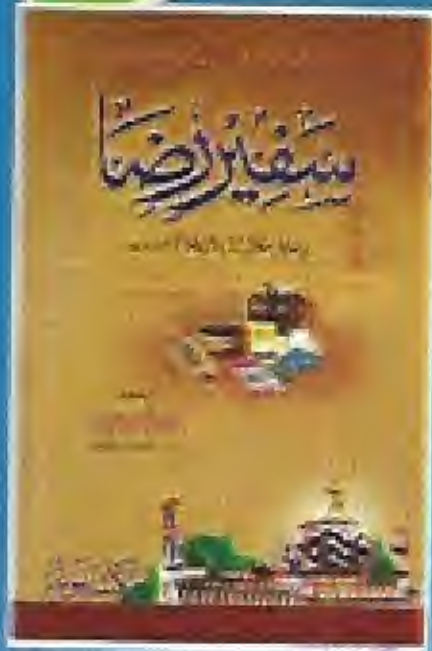
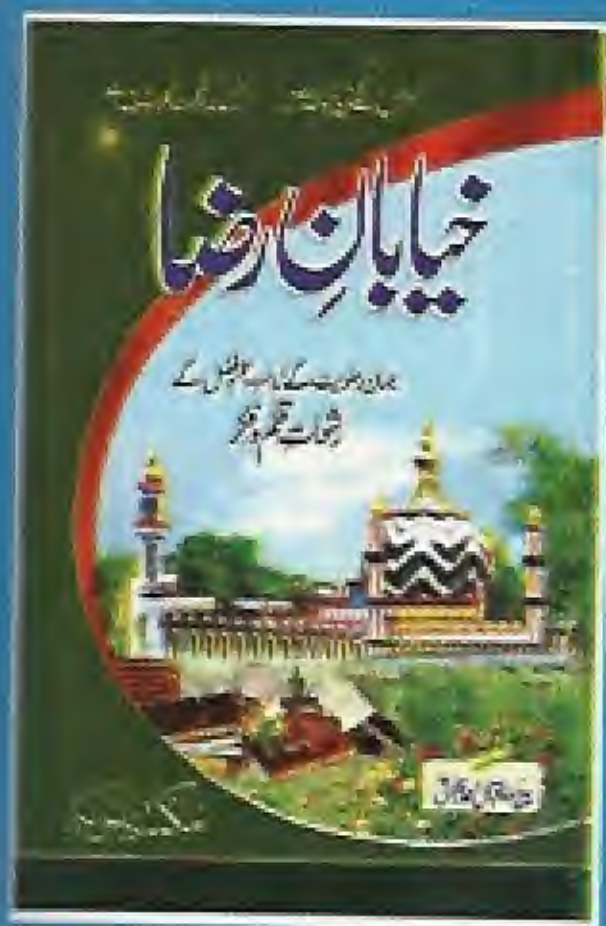
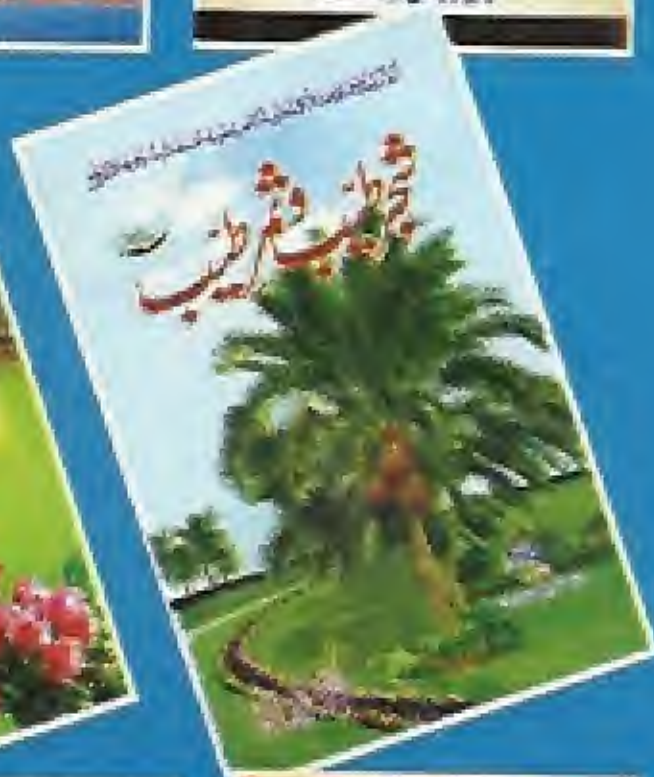
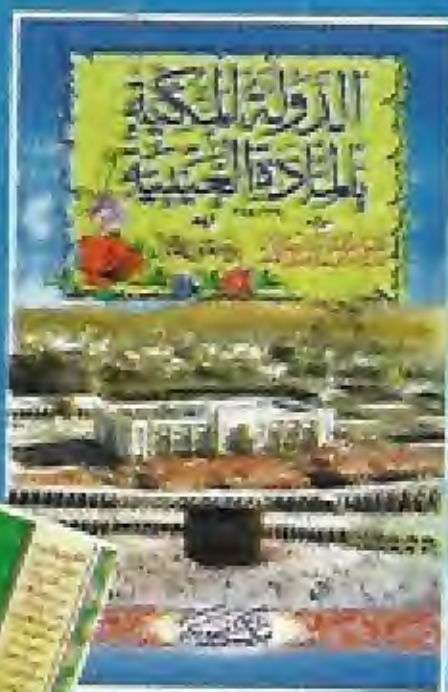
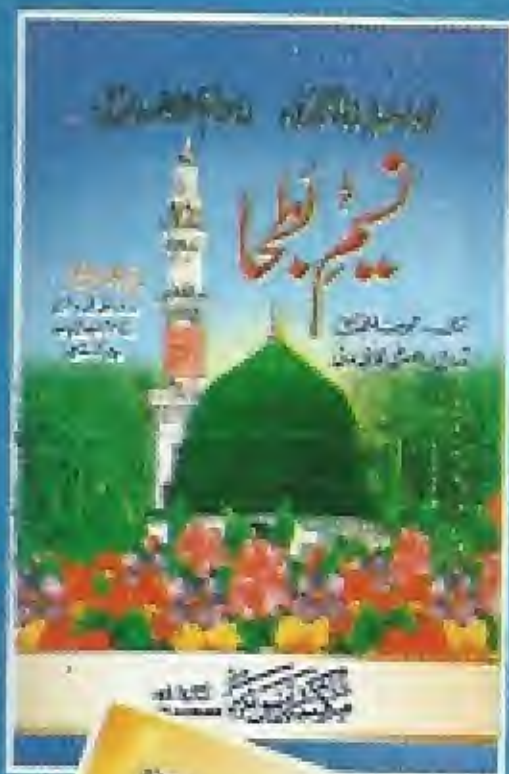



اقرا احلا مکے سکول سسٹم
 (انگلش میڈیم)

☆ عنقریب فریچائز کا آغاز

● پرائمری پاس بچے/بچیوں کیلئے تین سال میں حفظ + مڈل
● بچوں کیلئے ماہر قاری اور بچیوں کیلئے ماہر قاریہ کا بہترین انتظام ہے
جدید سمعی و بصری آلات اور نغمہ سرائی کے جدید ساز و سامان کے ساتھ

قابل مطالعہ کتابیں



مکمل کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور
0300-4235658